علمِ دولت

مصنفہ

پروفیسر برج نرائن ایم-اے

لاجپت رائے اینڈ سنز پبلشرز تاجرانِ کتب

لاہور

پہلی بار — قیمت [illegible]

علم دَولت

فہرست مضامین

باب اوّل

فصل ۱ ۔ دولت کا بیان

قیمتی اشیا کی اقسام ۷ ۔ سیدھی اور ٹیڑھی اشیاء ۹ ۔ ضروریات ۔ آرام و آسائش و عیش و عشرت کی اشیاء ۱۰ ۔ رہنے سہنے کا طریقہ ۱۳۔

فصل ۲ ۔ دولت کا صرف یا استعمال ۱۵

مانگ اور ضرورت میں فرق ۱۶ ۔ آخری خاتمے کی یا ختتامی ضرورت ۱۷۔ آخری ضرورت گھٹنے کے قانون کی تلافت ورزی ۲۷ ۔ مانگ پر آخری ضرورت کے قانون کا اثر ۳۰ ۔ لچک دار اور بے لچک مانگ ۳۲۔ لچک درجہ ایک ۳۳ ۔ دولت کے استعمال میں مختلف اشیاء کی آخری ضرورتوں کو برابر کرنے کی کوشش ۳۴ ۔ خریدار کو بچت ۳۹ ۔ ادل بدل کی اشیاء ۴۳ ۔

باب دوم

فصل ۳ ۔ دولت پیدا کرنا Production ۴۵

فصل ۴ ۔ سرمایہ ۴۸

سرمایہ کی دو خصوصیتیں ۔ ضروری اور غیر ضروری ۵۳

فصل ۵ ۔ کلوں کا استعمال ۵۷

صفحہ

فصل ۶ - بڑے پیمانے پر کام کے فائدے ۶۴

فصل ۷ - کارخانوں کے جتھے ۶۹

ٹرسٹ اور کارٹل کیوں بنائے جاتے ہیں ۷۱ - اجارے کی شکلیں ۷۲

فصل ۸ - لاگت گھٹنے بڑھنے کا قانون ۷۵

باب سوم

فصل ۹ - دولت کی ادل بدل ۷۸

دولت کی ادل بدل بغیر زر ۸۳ - زر کے ذریعے ادل بدل ۸۶

فصل ۱۰ - محنت کا قیاس ۸۹

فصل ۱۱ - لاگت ۹۴

قیمت مقرر کون کرتا ہے ۱۰۱

فصل ۱۲ - لاگت کی جڑ میں آخری ضرورت بیٹھی ہوتی ہے ۱۰۴

فصل ۱۳ - اجارے والی اشیاء کی قیمت ۱۰۹

فصل ۱۴ - بین الاقوامی تجارت ۱۱۴

فصل ۱۵ - نظام زر ۱۲۳

زر کی قیمت کا گھٹنا اور بڑھنا ۱۲۷

فصل ۱۶ - سونے کا نظام ۱۳۸

غیر ملکی ہنڈی کی قیمت ۱۴۱ - ڈالر سٹرلنگ ۱۴۹ - انگلینڈ نے سونے کا نظام کیوں چھوڑا ۱۵۵

فصل ۱۷ - سونے کی قیمت ۱۶۳

فصل ۱۸ - بنکوں کے کام ۱۶۶

فصل ۱۹ - سرد بازاری - اسباب اور علاج ۱۷۲

باب چہارم

صفحہ

فصل ۲۰ - دولت کی تقسیم - مزدوری یا اُجرت ۱۸۷

مزدوری کام کے اور وقت کے لحاظ سے ۱۹۷ - مزدوری کی قوت خرید ۲۰۰ - قوت خرید رُوبل اور روپیہ ۲۰۳ - زر کی قوت خرید میں بین الاقوامی فرق ۲۰۹ - ہڑتالیں ۲۱۲ - انڈکس نمبر ۲۱۵ - قانون انگلز ۲۲۰ -

فصل ۲۱ - سُود ۲۲۴

اصل کا گھٹنا بڑھنا ۲۳۲ - سرمایہ کیوں جوڑا جاتا ہے ۲۳۴ - اشیاء کی قیمتوں کے گھٹنے بڑھنے کا شرح سُود پر اثر ۲۳۷ -

فصل ۲۲ - منافع ۲۳۹

کاشت کاروں اور دستکاروں کا منافع ۲۴۷

فصل ۲۳ - لگان زمین ۲۵۲

شہروں میں کرایے ۲۵۸ - لگان اشیاء کی قیمتوں میں داخل بھی ہوتا ہے ۲۶۰

باب پنجم

فصل ۲۴ - حکومت کے فرائض ۲۶۵

فصل ۲۵ - حکومت کی آمدنی و خرچ ۲۷۵

ٹیڑھے اور سیدھے محصول ۲۷۸ - چار موٹے موٹے اصول ۲۸۰ - حکومت کے قرضے ۲۸۷

دیباچہ

اقتصادیات یا علم دولت پڑھاتے پڑھاتے مجھے ۲۵ سال ہو گئے۔ خیال آتا ہے کہ عمر ضائع کی +

کئی ہزار طالب علم علم دولت پڑھ کر ہر سال پنجاب یونیورسٹی کے امتحانوں میں بیٹھتے ہیں۔ مگر ان میں شاید ایک بھی نہ نکلے جو انگریزی نہ جاننے والوں کو پڑھا ہوا پڑھا سکے۔ قصور یونیورسٹی کا ہے تعلیم انگریزی زبان میں دی جاتی ہے۔ حالانکہ اس علم کو اردو میں پڑھانا آسان ہے +

علم دولت انگریزی زبان میں پڑھا کر معلّم اپنی عمر اور طلبا کا وقت ضائع کرتے ہیں۔ روزانہ ایک گھنٹہ پڑھائی جائے تو ایف اے کی پہلی جماعت کے لڑکے دو مہینے میں آسانی اس کتاب کو ختم کر لینگے۔ انگریزی میں پڑھانے کے لئے کم از کم چھ مہینے درکار ہونگے +

بعض سوال خاص کر جن کا تعلق شرح تبادلہ کے گھٹنے بڑھنے سے ہے پیچیدہ ہیں۔ اور انگریزی میں پڑھانے سے اور بھی پیچیدہ بن جاتے ہیں۔ ہفتوں ان سوالوں پر کالجوں میں بحث ہوتی ہے اور طلبا خاک نہیں سمجھتے +

ایک دن ہمارے کالجوں ہی میں نہیں سکولوں میں بھی علم دولت اردو میں پڑھایا جائیگا۔ موجودہ طریقہ تعلیم عقل سے خالی ہے +

کتاب کی زبان عام فہم ہے۔ میں نے مضمون سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ عجیب و غریب اصطلاحیں نہیں گھڑی ہیں جو ہر ایک کی سمجھ سے باہر ہوں +

لالہ رادھا کرشن سود پروفیسر دیال سنگھ کالج نے اس کتاب کے پروف دیکھے ہیں۔ پروفیسر صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں +

مورخہ ۹۔ اگست ۱۹۳۹ء

برج نارائن

نکلسن روڈ۔ لاجپت سٹریٹ لاہور

قوّت خرید - رُوبل اور روپیہ
۴۰
۳۵
۳۰
۲۵
۲۰
۱۵
۱۰
۵
۰
۵
لاہور میں قیمت - دیکھو صفحہ ۲۰۳
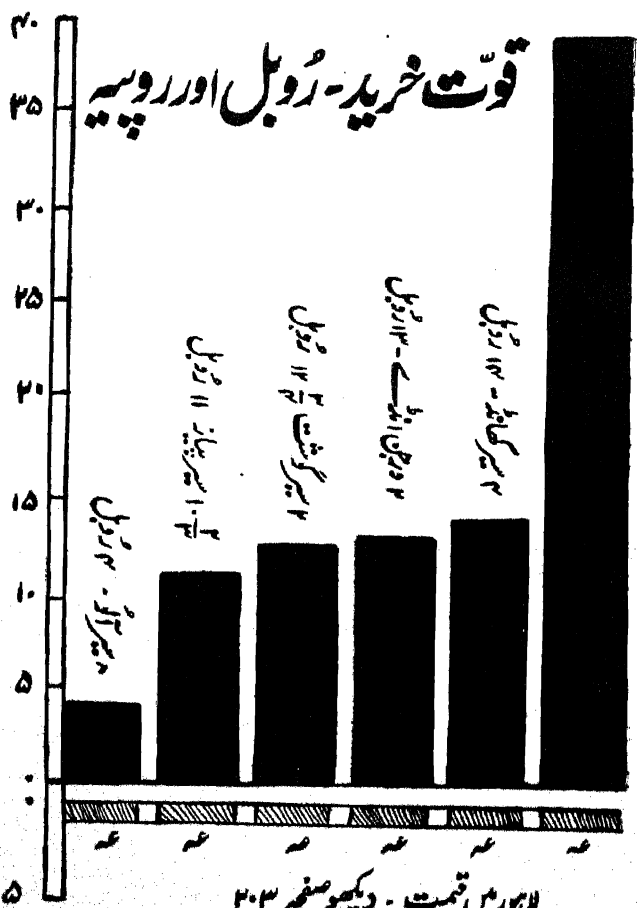
علمِ دولت

باب اوّل

فصل ۱

دَولت کا بیان

علوم کی گنتی میں علمِ دولت کا بھی شمار ہے۔
علمِ دَولت ہمیں بتاتا ہے۔ کہ دَولت کا صرف یا استعمال کن قوانین کے تابع ہے۔ دَولت پَیدا کیونکر ہوتی ہے۔ دَولت کی ادل بدل سے کیا مُراد ہے۔ اور دَولت کی تقسیم میں کِس کِس کو اور کِس قدر حِصّہ

ملتا ہے؟

دَولت کسے کہتے ہیں؟

دَولت مند وہ شخص ہے۔ جس کے پاس پیسہ ہے۔ زر دَولت میں شامل ہے۔ مگر حقیقت میں زر کی قدر اِس وجہ سے ہے۔ کہ ہم اس کے ذریعے اشیاء خرید سکتے ہیں +

فرض کرو۔ تمہارے پاس ہزار ہزار روپے کے ہزار ہندوستان کے مرکزی بنک کے جاری کردہ نوٹ ہیں۔ تم لکھ پتی ہو۔ امیر یا دَولت مند ہو۔ کیوں؟ اس لئے کہ اِن نوٹوں کے بدلے میں تم کھانے پینے۔ آرام و آسائش کی اشیاء خرید سکتے ہو۔ آدمی ملازم رکھ سکتے ہو۔ دُنیا کی سَیر کر سکتے ہو۔ مگر فرض کرو۔ تم سنسان بیابان میں بھُوکے پیاسے بیٹھے ہو۔ اور نوٹوں کی گڈی تمہارے سامنے دھری ہے۔ نوٹ کِس کام کے؟

پھر دیکھو۔ ہزار روپے کے نوٹ کی مالیّت کیا ہے۔ کاغذ کا پُرزہ ہے۔ جو لکھنے کے کام بھی نہیں آ سکتا۔ اس کی بطور کاغذ کوئی ایک پَیسہ بھی قیمت نہیں لگائیگا +

چاندی کے روپے جو کار و بار میں استعمال ہوتے ہیں کھوٹے ہیں۔ روپے کو گلاؤ۔ تو سات آٹھ آنے کی چاندی نِکلتی ہے۔ ایک لاکھ چاندی کے روپے بطور زر

لاکھ روپے کی دولت ہیں۔ بطور چاندی نہیں +

ہم نے یہ نہیں کہا۔ کہ زر دولت نہیں ہے۔ مگر زر دولت اس وجہ سے ہے۔ کہ اس کی مدد سے ہم خواہشات پوری کرتے ہیں +

مہذب انسانوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے لئے ہزارہا اشیاء کی ضرورت ہے۔ پیٹ بھرنے کے لئے روٹی۔ تن پوشی کے لئے کپڑا۔ جائے رہائش۔ آرام۔ آسائش و آرائش کی اشیاء۔ سیر و سفر کا سامان اور بغیر پانی اور ہوا جینا محال ہے +

ہوا ایک مادی شے ہے۔ مگر ہوا کا شمار دولت میں نہیں۔ ہوا مفت ہے۔ ہوا کی طرح پانی بھی مفت ہے۔ دریا بہتے ہیں۔ جس کا جی چاہے۔ جتنے گھڑے چاہے۔ بھر بھر کے گھر لے جائے۔ کوئی نہیں روکیگا۔ گھڑا دولت ہے مگر پانی نہیں +

اشیاء کی دو بڑی بڑی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کی قیمت لگتی ہے۔ قیمت زیادہ ہو یا کم۔ اس سے بحث نہیں۔ دوسری قسم اُن اشیا کی ہے۔ جو بلاقیمت یا مُفت ہیں +

کیا وجہ ہے۔ کہ ہوا جیسی از بس ضروری چیز مُفت ہے؟ ہر ایک کو جواب معلوم ہے۔ ہوا کی مقدار ہماری ضرورت سے کہیں زیادہ ہے۔ ہوا قدرت

کا عطّیہ ہے۔ زمین بھی قدرت کا عطّیہ ہے۔ مگر ہوا مُفت اور زمین سَو ڈیڑھ سَو روپیہ فی ایکڑ بھی ملتی ہے۔ اور تیس چالیس ہزار روپیہ فی کنال بھی۔ زمین قدرت کا عطّیہ ہوتے ہوئے بھی مُفت نہیں ⁂

جہاں ہوا کی کمی ہے۔ ہوا کی بھی قیمت لگائی جاتی ہے۔ لنڈن شہر کے نیچے بجلی کے زور سے ریلیں چلتی ہیں۔ سٹیشنوں پر اور گاڑیوں میں ہوا پہنچانے کا خاص انتظام کیا گیا ہے۔ ہر وقت صاف ہوا کے جھکڑ چلتے رہتے ہیں۔ ہوا کی قیمت ٹکٹ کی قیمت میں شامل ہے ⁂

دریا کے کنارے پانی مُفت ہے۔ مگر گھر میں نلکا لگواؤ گے۔ تو کمیٹی کو پانی کی قیمت ادا کرنی ہوگی ⁂

شہر یا دیہات میں گشت لگاتے ہوئے اگر میں مٹھی بھر مٹی اُٹھا کر جیب میں ڈال لوں۔ تو کوئی روکے گا نہیں۔ البتّہ دیوانہ سمجھ کر شاید دیکھنے والے ہنسنے لگیں۔ مگر حلوائی کی دوکان میں بھرے تھال پر ہاتھ ماروں۔ تو حلوائی مجھے پولیس کے حوالے کر دیگا۔ مٹی کی قیمت نہیں مگر مٹھائی مُفت نہیں ملتی ⁂

ہر وہ شے جو مُفت نہیں ملتی۔ دو صفات رکھتی ہے۔ اوّل کار آمد ہے۔ اور دوم اس کی مقدار یا رسد ضرورت سے کم ہے ⁂

کار آمد سے مطلب ہے۔ وہ چیز جو کوئی بھی ضرورت پوری کرے۔ اس سے غرض نہیں۔ کہ ضرورت اخلاقی نقطہ نگاہ سے قابلِ تعریف ہے یا قابلِ مذمّت۔ شرابی کے لئے شراب کی بوتل۔ افیمچی کے لئے افیون کی گولی۔ خودکشی کرنے والے کے لئے زہر کا پیالہ کارآمد اشیاء ہیں؛

قیمت پیدا کرنے کے لئے دونوں صفات کی ایک ہی وقت میں موجودگی ضروری ہے۔ اگر ایک بھی صفت غائب ہے۔ شے لا قیمت بن جائے گی؛

ہیرے کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔ اگر کسی کے بھی کام کے نہ ہوں کون ہیرے خریدے گا۔ ہیرے اور کوئلے کی کیمیائی ساخت میں زیادہ فرق نہیں۔ مگر کوئلے دو روپے کے من بھر لے لو۔ ہیروں کی ہزاروں لاکھوں روپے قیمت لگتی ہے۔ وجہ ہیروں کی کمیابی ہے۔ اگر کوئلے کی طرح ہیروں کی بھی بہتات ہو جائے ہیرے کوئلے سے بھی سستے بکا کرینگے +

فرض کرو۔ ایک شے کارآمد تو ہے۔ مگر اس کی رسد ضرورت سے کہیں زیادہ ہے۔ ہوا کی طرح شے مفت ملے گی؛

دولت کی فہرست میں فقط وہ اشیاء شامل ہیں۔ جن کی قیمت لگتی ہے۔ یعنی وہ اشیاء جو دونوں صفات جن کا

اُوپر ذکر ہُوا رکھتی ہیں۔ کارآمد بھی ہیں۔ اَور مانگ کے مقابلے میں کمیاب ہیں +

فرض کرو۔ گندم کی پَیدا وار اتنی بڑھ جائے۔ کہ گندم مفت ملنے لگے۔ گندم کو ہم اس صُورت میں دَولت کی فہرست میں سے نکال دینگے۔ ملک کی دَولت گھٹ جائیگی۔ اگرچہ گندم مفت ہونے سے ہر ایک کو پیٹ بھر کر روٹی ملے گی +

کارل مارکس کے پیرو اشتراکیوں کا خیال ہے۔ کہ ایک زمانہ آئے گا۔ جب پَیدا کی ہوئی دَولت میں سے ہر ایک کو ضرورت کے مطابق حِصّہ ملے گا۔ سماج کا ہر فرد اپنی طاقت یا ہمّت کے مطابق کام کرے گا۔ اَور ضرورت کے مطابق کھائے گا۔ جو دولت پَیدا کی جائیگی۔ سرکاری گوداموں میں بھر دی جائے گی۔ اور گوداموں کے دروازے کھلے رہا کرینگے۔ جس کو جو بھی شے درکار ہوگی مفت ملے گی۔ اَیسے نظام میں دَولت نام کو بھی نہیں رہے گی۔ اصطلاحی معنوں میں ملک کنگال بن جائیگا مگر دَولت اُڑ جانے پر بھی ہر فرد بشر آرام و آسائش سے زندگی بسر کرے گا۔ آیا اس طرح کا نظام قائم ہونا ممکن ہے یا نہیں الگ سوال ہے۔ جس پر اس جگہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں +

قیمتی اشیاء کی اِقسام

قیمتی اشیاء کی چار بڑی بڑی قسمیں ہیں :-

قیمتی اشیا یا دولت

مادّی — منقولہ، غیر منقولہ

غیر مادّی — منقولہ، غیر منقولہ

مادّی دولت کی مثالیں ہیں میز کرسی - گھڑی - گاڑی گھوڑے - جائداد - مادّی اشیاء ایک دوسرے کو دے سکتا ہے - یعنی ان کا حق ملکیّت بدلا جا سکتا ہے - زمین اور مکان ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ نہیں لے جا سکتے - مگر قبالہ بدلنے سے زمین اور مکان کی ملکیت بدلی جاتی ہے ٭

مادّی دولت غیر منقولہ بھی ہوتی ہے - جو دوسرے کو نہیں دی جا سکتی - ہالینڈ سطح سمندر سے نیچے واقع ہے - اہلِ ہالینڈ نے بڑے بڑے سنگین بند باندھ کر سمندر کو روکا ہے - ان بندوں پر کروڑوں روپیہ صرف ہوئے ہیں - اس لئے بند دولت ہیں - مگر یہ کیونکر ممکن ہے - کہ ہالینڈ یہ بند جرمنی یا انگلستان کے حوالے کر دے ٭

غیر مادّی دَولت کی مثال ہے نام جو بکتا ہے۔ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز لاہور میں ایک مشہور چھاپے خانے کا نام ہے۔ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ کو گذرے ہوئے مُدت ہو گئی۔ مگر اُن کے نام سے اب بھی کاروبار ہوتا ہے۔ اگر کوئی یہ چھاپہ خانہ خریدنا چاہیے تو کلوں۔ اسباب۔ عمارت۔ زمین کے علاوہ نام کی الگ قیمت ادا کرنی ہوگی۔

عرصہ ہُوا۔ لاہور میں ستو لے کر مصّور مصوری کرتے تھے۔ ان کے چلے جانے کے بعد ان کا نام اور دکان کسی اَور نے خرید لی۔ مصّور دوسرا آیا۔ مگر نام پُرانا رہا۔

یورپ میں ڈاکٹروں کے نام بکنے کا عام رواج ہے۔ بڈھے ہونے پر ڈاکٹر نام اور دکان دوسرے کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔

نام غیر مادّی شے ہے۔ مگر دولت میں شامل ہے۔ چونکہ قیمت لگتی ہے۔

فرض کرو۔ ایک ڈاکٹر کی جگہ دوسرے نے لے لی۔ مگر دکان کا نام پُرانا رہا۔ اب یہ ضروری نہیں۔ کہ پُرانے ڈاکٹر کے تمام کے تمام مریض نئے ڈاکٹر سے علاج کرائیں۔ کچھ کرائیں گے۔ اور کچھ کسی اور ڈاکٹر حکیم کی تلاش کرینگے۔ سوال بھروسے یا شردھا کا ہے۔ شردھا ایسی شے نہیں۔ جو ایک آدمی دوسرے کے حوالے کر دے۔ شردھا بھی

دَولت ہے۔شردھا کی بدولت ڈاکٹر حکیم وید کمائی کرتے ہیں۔گوروؤں کو چڑھاوے چڑھتے ہیں۔ نام بکتا ہے۔مگر شردھا نہیں بکتی۔شردھا غیر منقولہ غیر مادّی دَولت ٹھیریگی +

سیدھی اَور ٹیڑھی اشیاء

اشیاء سیدھی بھی ہوتی ہیں۔ اور ٹیڑھی بھی۔پڑھنے والا شاید کہیگا اس میں نئی بات کونسی نکلی۔ ہاتھ کی لکڑی سیدھی بھی ہوتی ہے۔ اَور ٹیڑھی بیڑھی بھی۔ نہیں۔ ہمارا مطلب اَور ہے +

ایک حلوا ہے اَور ایک کڑھائی۔ دونوں مادّی چیزیں ہیں۔ دونوں دولت ہیں۔مگر مختلف اقسام کی +

حلوا مٹھائی کھانے سے جی خوش ہوتا ہے۔سیری ہوتی ہے۔مگر حلوا مٹھائی بنانے کے لئے کڑھائی کی ضرورت پڑتی ہے۔کڑھائی دَولت ہے۔ مگر اس وجہ سے کہ دَولت پیدا کرنے میں اس سے مدد ملتی ہے +

اس طرح کھڈی اَور کھدّر میں فرق ہے۔کھدّر سے براہِ راست ضروریات پُوری ہوتی ہیں۔کھدّر سیدھی قسم کی دَولت ہے۔کھڈی کھدّر تیار کرنے میں مدد دیتی ہے اس لئے ٹیڑھی قسم کی دَولت ہوئی +

ہر قسم کے اوزار اور کلیں ٹیڑھی اشیاء ہیں۔ ان کی شکل خواہ سیدھی کیوں نہ ہو۔ ٹیڑھی اشیاء کو دَولت پیدا

کرنے والوں کی اشیاء بھی کہا جاتا ہے۔اور سیدھی اشیاء کو دَولت صرف کرنے والوں کی اشیاء ٭

ایک ہی شے ٹیڑھی اور سیدھی دونوں ہو سکتی ہے۔ مثلاً گڑ۔ کھانڈ۔ دُودھ کھانے کی بھی چیزیں ہیں۔اور ان کی مدد سے طرح طرح کی مٹھائیاں بنائی جاتی ہیں ٭

ضروریات۔آرام و آسائش اور عیش و عشرت کی اشیاء

اشیاء کی اَور تین قسمیں ہیں۔ضروریات۔آرام و آسائش کی اشیاء اور عیش و عشرت کی اشیاء ٭

ضروریات سے مطلب ہے وہ اشیاء۔جن کے نہ ملنے سے صحت کو نقصان ہو۔بلکہ جینا محال ہو جائے ٭

پنجاب میں روٹی کھائی جاتی ہے۔اَور بنگال۔مدراس اور بمبئی میں چاول۔خوراک جس سے زندگی قائم رہے ضروریات میں شامل ہے ٭

اس کے علاوہ رہنے کو مکان چاہیئے۔تن ڈھکنے کو کپڑا اور پَیر میں جُوتی۔پنجاب میں جُوتی کا جوڑا ضروریات میں سے ہے۔مگر مدراس میں وکیل اور ہائی کورٹ کے جج تک ننگے پَیر پھرنا بُرا نہیں سمجھتے ٭

گھی اور دُودھ کا استعمال بھی طاقت قائم رکھنے کے

لئے ضروری ہے +

مختلف ملکوں اور ایک ہی ملک کے مختلف طبقوں کی ضروریات میں فرق ہوتا ہے۔ سرد ملکوں میں کمرے گرم کرنے کے لئے کوئلوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر گرم ملکوں میں کوئلے کے بغیر بھی گذارا ممکن ہے +

دیہات میں اُونی کپڑوں کا استعمال کم ہے۔ مگر شہروں میں جاڑے کے موسم میں اُونی کپڑا اکثر لوگ پہنتے ہیں +

گرمی کے موسم میں برف کا استعمال اب عام ہو گیا ہے۔ مگر آج سے سَو سال پہلے برف کا پانی امیر ہی پیتے تھے +

برف آرام و آسائش کی فہرست میں داخل ہوگی۔ میز کرسی۔ بڑھیا ریشمی اور اُونی کپڑے۔ عُمدہ پھل اور مٹھائیاں۔ بجلی کی روشنی اور پنکھے آرام و آسائش کی چیزیں ہیں +

عیش و عشرت کی اشیاء جی خوش کرنے والی بھی ہیں۔ مثلاً ستار۔ بین اور باجے۔ بڑھیا موٹر کار۔ غالیچے۔ اور نقصان دینے والی بھی مثلاً شراب جو عقل و ہوش دونوں کھو دے +

منشیات میں تمباکو الگ چیز ہے۔ حقّہ نوشوں سے پُوچھو گے۔ تو جواب ملیگا۔ کہ حقّے کی گڑ گڑ سے من

لگا رہتا ہے۔ اور عقل بڑھتی ہے۔ حقیقت میں تمباکو ضروریات میں سے نہیں۔ حُقّہ۔ سگرٹ۔ سگار۔ بیڑی پیئے بغیر بھی جینا ممکن ہے۔ مگر بہتیرے لوگ ہیں امیر بھی اور غریب بھی۔ جن کے لئے تمباکو ضروری چیز بن گئی ہے +

یاد رہے۔ کہ اشیاء کے اوپر لکھا ہُوا نہیں ہوتا۔ کہ ضروری شے ہے۔ یا آرام و آسائش کی یا عیش و عشرت کی۔ ایک ہی شے ایک کے لئے ضروری ہے۔ اور دوسرے کے لئے آرام و آسائش یا عیش و عشرت کی +

ڈاکٹر کے لئے جسے روز صبح و شام دُور دُور مریضوں کو دیکھنے جانا ہوتا ہے۔ موٹر کار ضروریات میں سے ہے۔ میرے یا تمہارے لئے نہیں +

لکھنے والے کے لئے کُتب خانہ ضروریات میں سے ہے۔ ہر ایک کے لئے نہیں +

سپاہی اور شکاری کے لئے بندُوق ضرُوری ہے۔ اَوروں کے لئے تفریح کا سامان ہے +

رہنے سہنے کا طریقہ ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔ رہنے سہنے کے طریقے کے بدلنے پر ضروریات آرام و آسائش اَور عیش و عشرت کی اشیاء کی فہرست بھی بدل جاتی ہے۔ آج کل گرمیوں میں بجلی کے پنکھے شہروں ہی میں چلتے

ہیں۔ اور وہ بھی ہر ایک کے گھر میں نہیں۔ بجلی کے پنکھے آرام و آسائش کا سامان ہیں۔ مگر ممکن ہے۔ کہ بجلی اور پنکھوں کے سستے ہونے پر بیسویں صدی کے خاتمہ سے پہلے ہی یہ اشیاء ہر خاص و عام کی ضروریات میں داخل ہو جائیں ٭

آج سے بیس سال پہلے درمیانی طبقے کے لوگ بائیسکل کا استعمال کرتے تھے۔ اب مستری۔ دھوبی اور سقّے بھی بائیسکلوں پر چڑھے پھرتے ہیں۔ پنجاب کے ہر گاؤں میں دو چار بائیسکلیں مل جائیں گی ٭

چائے نوشی پہلے شہروں تک محدود تھی۔ اب دیہات میں بھی چائے پہنچ گئی ہے۔ سرحد میں تو چائے نوشی اس قدر ترقی کر گئی ہے۔ کہ دیہات میں بھی دکانیں چائے کے ڈبّوں سے بھری ہوتی ہیں۔ سرحد میں عام طور پر اور پنجاب میں کہیں کہیں چائے کسانوں کی ضروریات میں داخل ہو گئی ہے ٭

رہنے سہنے کا طریقہ

ہر جماعت یا طبقے کا رہنے کا طریقہ جُدا جُدا ہوتا ہے۔ بڑی وجہ آمدنی کا فرق ہے ٭

یہ ضروری نہیں۔ کہ آمدنی کا فرق مٹ جائے۔ تو سب لوگ ایک سی ہی چیزیں استعمال کریں۔ نہیں طبیعتیں

اور مذاق جُدا جُدا ہیں۔ مجھے موٹی ململ بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اَور تمہیں کھدّر۔ مجھے دیسی جُوتا پسند ہے۔ اَور تمہیں انگریزی۔ مگر مذاق کے فرق ہی کی وجہ سے رہنے سہنے کے طریقوں میں فرق نہیں ہے۔ کس کا جی نہیں کرتا۔ کہ اُجلے کپڑے پہنے۔ بڑے چار پانچ کمرے والے مکان میں رہے۔ پڑھنے کو کتابیں ہوں۔ سیر کرنے کو موٹر کار۔ اچھے سے اچھا کھائے اور آرام سے زندگی بسر کرے۔ مگر اشیاء خواہ ضرورت کی ہوں۔ خواہ آرام و آسائش اور عیش و عشرت کی۔ مفت نہیں مِلتیں۔ خریدنے کو پیسے چاہئیں۔ آمدنی قلیل ہوگی۔ تو تنگی سے گذارا ہوگا۔ آمدنی پانچ ہزار روپے ماہوار ہے۔ تو ضروریات اور آرام و آسائش کی اشیاء کے علاوہ تفریح اور عیش و عشرت کا سامان بھی مہیا ہو سکے گا۔ ہر طبقے کا رہنے سہنے کا طریقہ آمدنی کے مطابق ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ رواج اور مذہب کا رہنے سہنے کے طریقے پر اثر نہیں ہوتا۔ مثلاً بعض لوگ امیر ہوتے ہوئے بھی کنگالوں کی طرح رہتے ہیں۔ مَیلے کچیلے کپڑے پہنتے ہیں۔ پیٹ کاٹتے ہیں۔ مگر روپیہ جوڑے جاتے ہیں۔ ناچ گانا اور شراب خوری مسلمانوں میں ممنوع ہے۔ سکھ تمباکو کا استعمال نہیں کرتے۔ عام طور پر ہندو گوشت نہیں کھاتے ۔

فصل ۲

دَولت کا صرف یا استعمال

ضروریات پوری کرنے کے لئے ہمیں دولت چاہیئے۔
دَولت کس طرح برتی جاتی ہے؟
اوّل کھا جانا۔ جیسے رس گلّوں کا تھال تمہارے سامنے رکھا ہے۔ اور ایک ایک کرکے تُم تمام اُڑا گئے۔
مگر تمام اشیاء کھائی نہیں جاتیں۔ مکان میں ہم رہتے ہیں۔ جب عرصہ دراز میں مکان کھنڈر بن جائے۔ مکان کا استعمال ختم ہُوا۔ بَیل کا استعمال بَیل سے کام لینا ہے۔ جب تک بیل کام دیتا ہے۔ کُرسی کا استعمال اُس پر بیٹھنا ہے۔ جب تک کُرسی ٹُوٹ نہ جائے۔
کُرسی کے ٹُوٹ جانے سے کیا مطلب؟ یہ نہیں کہ کُرسی نیست و نابُود ہو گئی۔ نیست و نابُود کوئی چیز نہیں ہوتی۔ ہاں اس کی شکل بدل جاتی ہے۔ کُرسی ٹوٹنے پر بطور کُرسی استعمال نہیں ہو سکتی۔
مکان جب کھنڈر بن جائے۔ تو مکان نہیں رہا۔ مگر اینٹ چُونا باقی ہے۔ ریل کی پٹڑیاں جب ریل والوں

کے کام کی نہیں رہتیں۔ تو لوہے کے شہتیر بن جاتی ہیں۔ اور عمارت کے کام آتی ہیں۔ دَولت کے استعمال سے دولت کی شکل بدل جاتی ہے۔ چیز کارآمد نہیں رہتی۔ مگر قطعاً کسی چیز کا صفحۂ ہستی سے اُڑا دینا ممکن نہیں +

مانگ اور ضرورت میں فرق

دَولت کا استعمال دولت کی ضرورت کی وجہ سے ہے۔ بھُوک نہ ہو۔ تو مَیں روٹی کیوں کھاؤں۔ ننگے پَیر چلنے میں پاؤں نہ جلیں۔ تو جُوتی کیوں پہنُوں +

فرض کرو۔ مجھے جُوتی کا جوڑا چاہیئے۔ میں انارکلی میں ایک جُوتے والے کی دُکان میں داخل ہُوا۔ دکان اُوپر سے نیچے تک جُوتوں سے بھری ہے۔ مَیں نے جُوتے نکلوائے۔ انہیں دیکھا اور پسند کیا۔ میرا جی کرتا ہے۔ کہ ایک عمدہ جوڑا لے لُوں۔ خوبصورت بھی ہے اور پائدار بھی معلوم ہوتا ہے۔ مگر خریدنے کو دام پاس نہیں۔ جوڑے کی ضرورت مانگ کی شکل اختیار نہیں کرے گی۔ اگر دکان والے کو علم ہوتا۔ کہ مَیں نادار ہوں۔ تو مجھے دُکان میں گھُسنے ہی نہ دیتا۔ مَیں لاکھ کہوں کہ مجھے جُوتا چاہیئے۔ مجھے جوڑی جُوتے کی بجائے دھکّے ملیں گے +

ہاں اگر قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔ تو ضرورت مانگ میں تبدیل ہو جائے گی۔ اگر قیمت مقرر ہے۔ تو پانچ روپے دے کر مَیں جُوتا خرید لُونگا۔ نہیں تو جھک جھک کے بعد قیمت کا فیصلہ ہوگا +

حلوائی کی دُکان کے سامنے کھڑے ہو کر تم جی میں کہو۔ کہ مجھے قلاقند بہت اچھّا لگتا ہے۔ تھال بھر کر قلاقند کھانے کو جی چاہتا ہے۔ مگر تمہارا جی چاہنا حلوائی کی منّت سماجت کرنا مانگ نہیں ہے۔ اصطلاحی زبان میں مانگ کے معنی مانگنا یا کِسی شے کو مفت حاصل کرنا نہیں۔ اسے حاصل کرنے کے لئے قربانی کرنی پڑیگی +

قربانی کی کئی شکلیں ہیں۔ مثلاً مَیں حلوا کھانا چاہتا ہوں۔ ایک آنہ دے کر حلوا خریدنا ایک صُورت ہے۔ دوسری صورت یہ کہ حلوے کے بدلے میں کوئی شئے جو حلوائی لینے کو تیار ہو۔ مثلاً قلم یا پنسل اُس کے حوالے کرُدوں۔ یا حلوائی کہے ۔ میری کڑھائی مانجھ دو۔ پھر حلوا ملے گا۔ اور میں کڑھائی مانجھوں۔ اور یا اَور کوئی حلوائی کا کام کرُدوں +

آخری۔ خاتمے کی یا اختتامی ضرُورت

فرض کرو۔ تم نارنگی یا رنگترے لینے چاہتے ہو۔ ایک آنے کا ایک۔ مگر سودے والا ضد کرتا ہے۔ کہ درجن

لے لو۔ بہت میٹھے ہیں۔ ع مزہ انگور کا ہے رنگترے میں
سستے دے دُونگا۔ تو آنے درجن۔ تم شاید مان جاؤ۔ مگر
ایک آنہ فی رنگترے کے حساب سے درجن نہیں خریدوگے
کیا وجہ ہے۔ کہ زیادہ چیز خریدو۔ تو بیچنے والے
قیمت گھٹا دیتے ہیں؟ قیمت کے گھٹنے سے مانگ بڑھ
جاتی ہے۔ کیوں بڑھ جاتی ہے؟
مانگ کا دارو مدار ضرورت پر ہے۔ اور ضرورت
ایک ہمہ گیر قانون کے تابع ہے۔ اس قانون کو اچھی طرح
ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ اسی قانون کی بنیاد پر
علمِ دولت کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ اس قانون کی
مدد سے ہم اشیاء کی قیمتوں کی اصلیت اور قیمتوں کے
گھٹنے بڑھنے کا راز جانیں گے۔ مزدوری یا اُجرت بھی
یہی قانون مقرر کرتا ہے۔ اس قانون کا نام ہے آخری۔
خاتمے کی یا اختتامی ضرورت کا قانون +
بتاؤ تمہیں کونسی مٹھائی اچھی لگتی ہے؟ لڈو۔ پیڑے۔
برفی۔ جلیبی۔ قلاقند؟ مجھے موتی چُور کے لڈو پسند ہیں۔
شاید تمہیں بھی بھاتے ہوں۔ آؤ۔ تمہاری لڈوؤں کی
دعوت کروں۔ کتنے لڈو کھاؤ گے؟ ۵-۶ لڈو تم یکے بعد
دیگرے جلدی جلدی ہڑپ کر گئے۔ مگر تھال بھرا ہے۔
اور میں لڈو پیش کئے جاتا ہوں۔ کتنے کھاؤ گے۔ دس بیس
تیس۔ آخر کار سیری ہو جائے گی۔ اور ہاتھ کھینچنا پڑے گا۔

مَیں تمہیں نہیں روکتا۔ مگر خود کھاتے کھاتے اُکتا جاؤ گے۔ اَور بس کہہ دوگے۔ فرض کرو۔ تیسواں لڈو آخری ہے۔ بتاؤ۔ کہ آخری لڈو کھانے سے وہی لذت حاصل ہوئی۔ جو پہلے دوسرے تیسرے کے کھانے سے ہوئی تھی؟

جواب ہے۔ نہیں۔ پہلے لڈو کا لُطف کچھ اَور تھا۔ دوسرے کا اس سے ذرا کم۔ تیسرے کا اَور کم۔ اِسی طرح زیادہ لڈو کھانے پر بتدریج لڈوؤں کا لُطف یا مزہ گھٹتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آخری لڈو کا مزا تقریباً صِفر کے برابر ہے۔ اس کے بعد اگر تمہیں لڈو کھانے پر مجبُور کیا جائے۔ تو بجائے لُطف کے تکلیف ہوگی۔ ممکن ہے۔ کہ قے ہو جائے۔ اَور سارا کھایا پیا نکل جائے۔

اگر ہر لڈو کے لُطف کو ہندسوں سے ظاہر کیا جائے۔ تو ہندسے بتدریج گھٹتے جائینگے۔ مگر لڈوؤں کی تعداد کے بڑھنے کے ساتھ کُل لُطف کی مقدار بڑھتی جائے گی۔ یہ اس طرح

لڈو	کل لُطف	آخری لڈو کا لُطف
۱	۳۰	۳۰
۲	۵۹	۲۹
۳	۸۷	۲۸
۴	۱۱۴	۲۷
۵	۱۴۰	۲۶

ایک لڈو کھایا۔ لطف ۳۰ درجے کا حاصل ہوا۔ دو لڈوؤں کا کل لطف ۵۹ اور آخری لڈو کا ۲۹۔ تین لڈوؤں کا کل لطف ۸۷ اور آخری یعنی تیسرے لڈو کا ۲۸۔ پانچ لڈوؤں کا کل لطف ۱۴۰ اور آخری یعنی پانچویں لڈو کا ۲۶۔ جب تک آخری لڈو کا لطف صفر نہیں ہو جاتا۔ کل لطف کی مقدار برابر بڑھتی جاتی ہے۔ مگر لطف کے بڑھنے کی رفتار گھٹتی جاتی ہے۔ پہلے ۳۰۔ پھر ۲۹۔ پھر ۲۸ ـ ۲۷ ـ ۲۶ وغیرہ +

معترض کہے گا۔ کہ لطف ۔ لذّت ۔ مزا اندرونی غیر مادّی احساس کا نام ہے۔ تم نے اسے درجوں یا ہندسوں سے کیونکر ظاہر کیا ؟

اعتراض بجا ہے۔ احساس مادّی شے نہیں۔ جسے ناپا تولا جا سکے۔ پھر بھی عام طور پر احساس کا اندازہ ہندسوں کے ذریعہ لگایا جاتا ہے +

فرض کرو۔ دو پہلوان کُشتی کے لیئے اکھاڑے میں اُترے دونوں مجھے برابر کے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر تمہارا خیال ہے کہ ۱۹ ـ ۲۰ کا فرق ہے۔ ۱۹ ـ ۲۰ کے فرق کے کیا معنی ؟ تمہارا خیال ہے۔ یا تمہیں احساس ہوا ۔ کہ ایک پہلوان دوسرے کی بنسبت طاقت میں ذرا بڑھا ہوا ہے۔ اور اس خیال یا احساس کو تم نے ہندسوں میں ظاہر کیا +

اسی طرح لڈو کھانے کے لُطف کو ہم نے درجوں یا ہندسوں میں ظاہر کیا +

یاد رہے۔ کہ ہمارے دل میں خانے نہیں بنے ہوئے۔ جن میں ہر لڈو کا لُطف جُدا جُدا بھرا جاتا ہے۔ مگر ہر ایک کا احساس ہے۔ کہ زیادہ لڈو یا کسی اور چیز کے کھانے سے سیری بڑھتی ہے۔ اور اس سے بھی انکار ناممکن ہے۔ کہ سیری بڑھنے کی رفتار چیز کی مقدار کے ساتھ ساتھ گھٹتی جاتی ہے۔ اِس لئے نتیجہ نِکلا۔ کہ آخری لڈو کھانے کا درجۂ لُطف اس سے پہلے کے لڈو سے کم ہے +

لڈوؤں میں فرق نہیں ہے۔ سب لڈو ہر طرح سے ایک جیسے ہیں۔ پھر بھی دوسرے لڈو کا درجۂ لُطف پہلے سے کم ہے۔ تیسرے کا دوسرے سے کم۔ تیسویں کا اُنتیسویں سے کم۔ آخری لڈو خواہ اس کا نمبر ۳۰ ہو یا ۲۰ یا ۱۵ اُتنا ہی بڑا اور اُسی مٹھائی کا بنا ہُوا ہے۔ جیسا کوئی اور لڈو۔ درجۂ لُطف میں فرق کی وجہ سیری ہے۔ یہاں تک کہ تیس لڈو کھا کر اور لڈو تم نہیں لیتے۔ اگرچہ باقی کے لڈو جو تم نہیں کھاتے۔ وَیسے ہی مزے دار ہیں۔ جَیسے تم کھا چُکے ہو۔ لڈوؤں میں فرق نہیں آ گیا۔ مگر تم میں فرق ضرور پَیدا ہو گیا ہے۔ ۳۰ لڈو اُڑا جانے کے بعد

تم وہ نہیں جو پہلے تھے ÷

لطف - مزے - لذت کی بجائے ہم ضرورت کا لفظ استعمال کرینگے - آخری لڈو کی ضرورت لڈو کھانے کے ساتھ ساتھ گھٹتی جاتی ہے - اگر سیری درجہ تکمیل کو پہنچ گئی ہے - تو لڈوؤں کی آخری ضرورت صفر کے برابر ہے - آخری ضرورت کہو - یا خاتمے کی یا اختتامی ضرورت ایک ہی بات ہے ÷

آخری ضرورت کا گھٹنا ہم نے نیچے تصویر کی مدد سے سمجھایا ہے ÷
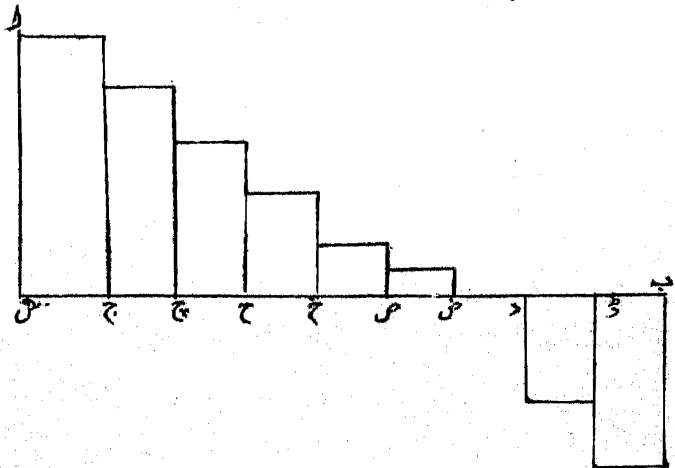
مقام ش سے ہم نے دو لکیریں کھینچیں - ایک لیٹی ہوئی ش ب اور ایک کھڑی ش ا - ش ب کو ہم نے ۹ برابر حصوں میں تقسیم کیا - شروع کے چھ حصوں پر

ایک ایک مستطیل کھڑا ہے۔ مگر مستطیل چھوٹے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ش ب کا ہر حصّہ ایک لڈو کو ظاہر کرتا ہے۔ یا کوئی اور چیز لے لو۔ صفٓ د پر کوئی مستطیل نہیں ہے اس کا مطلب ہے۔ کہ ساتویں لڈو کی آخری یا اختتامی ضرورت صفر ہے۔ اب آٹھواں لڈو کھانے سے لطف حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ بدمزگی ہوگی۔ اور بدمزگی تیزی کے ساتھ بڑھتی جائے گی ۔

اگر ش ب لکیر کو ہم ایک ہزار حصّوں میں تقسیم کریں۔ اور ہر حصّے پر مستطیل کھڑا کریں۔ تو مستطیل نہایت پتلے یا ایک لکیر کی موٹائی کے برابر ہونگے۔ اور لکیریں ایک دوسرے سے جُڑی ہوئی سی ہونگی۔ ان لکیروں کے اُوپر کے سروں کو جوڑنے سے ایک ٹیڑھی لکیر حاصل ہوگی۔ جیسے نیچے کی تصویر میں دکھایا ہے :-

ٹیڑھی لکیر ک ض کے معنی اچھی طرح سمجھ لینے چاہئیں
یہ لکیر نہایت باریک مستطیلوں کے اوپر کے سروں کو
جوڑنے سے حاصل ہوئی ÷
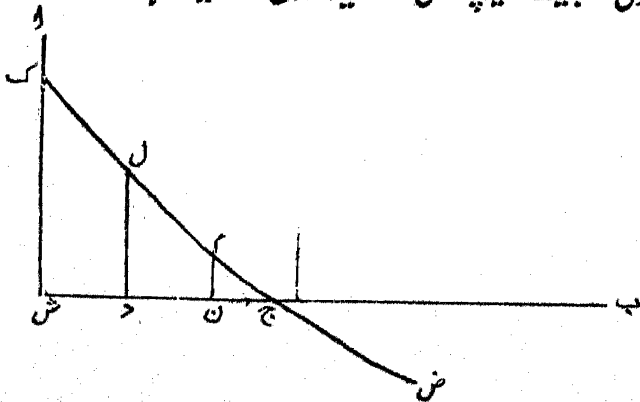
لڈوؤں کی تعداد لکیر ش ب ظاہر کرتی ہے۔ ان کا
لطف ناپنے کا پیمانہ کھڑی لکیر ش ا ہے ÷

فرض کرو۔ تم نے ش د لڈو کھائے۔ آخری لڈو کا
لطف ل د کے برابر ہے۔ اور کل لڈوؤں کا لطف
ش د ل ک رقبے کے ÷

اگر ش ن لڈو کھاؤ گے۔ تو کل لطف بڑھ جائے گا۔
رقبہ جو کل لطف کو ظاہر کرتا ہے۔ ش ن م ک ہے۔ مگر
آخری لڈو کا لطف یا لڈوؤں کی آخری ضرورت م ن کے
برابر ہے۔ جو ل د سے کم ہے۔ مقام ج پر آخری
ضرورت صفر کے برابر ہے۔ اور کل لطف کی مقدار ش ج ک
ہے۔ ج کے بعد بدمزگی پیدا ہوتی ہے ÷

آخری ضرورت کے گھٹنے کا قانون لڈو پیڑے کھانے
ہی پر عائد نہیں ہوتا۔ ہر قسم کی دولت کا استعمال
اس قانون کے تابع ہے ÷

نئی موٹر کار خریدو۔ پہلے پہلے اس کی بہت قدر ہوگی
مگر چار چھ مہینے گذرنے پر میز کرسی کی طرح موٹر کار
بھی معمولی چیز بن جائے گی ÷

فرض کرو۔ کسی کے پاس تین موٹر کاریں ہیں۔ اگر

تین کی دو رہ جائیں - موٹر کار کی آخری ضرورت بڑھ جائے گی - تین کی چار ہو جائیں - تو آخری ضرورت گر جائے گی +

آمدنی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ روپے کی آخری ضرورت گر جاتی ہے - بتاؤ - روپے کی کون قدر زیادہ کرتا ہے - لکھ پتی یا فقیر ؟ اگر رستہ چلتے ہوئے لکھ پتی کا ایک پیسہ ہاتھ سے گر کر نالی میں جا پڑے تو لکھ پتی کو ذرا پروا نہ ہوگی - فقیر کا پیسہ نالی میں گر جائے - تو گھنٹہ بھر تک نالی کی مٹی چھانتا رہے گا +

بارش ہو رہی ہے - اور مجھے اور تمہیں دونوں کو کام پر جانا ہے - میں غریب ہوں - اور تم امیر - تم ٹانگا منگاؤ گے - میں چھتری لے کر چل پڑوں گا - مزدور کے لئے چھتری خریدنی بھی مشکل ہے - مزدوروں کو سن کی بوریوں سے چھتریوں کا کام لیتے دیکھا ہوگا +

آمدنی قلیل ہو - تو روپے کی آخری ضرورت بڑھی ہوئی ہوگی - وجہ یہ کہ آمدنی ضروریات پر خرچ ہوگی - کیونکہ آرام و آسائش و عیش و عشرت کے سامان کے لئے روپے نہیں ہیں - جتنی آمدنی قلیل ہوتی ہے - اتنا ہی زیادہ آمدنی کا حصّہ خوراک پر خرچ ہوتا ہے - مثلاً احمد آباد کے کارخانوں کے مزدور آمدنی کا تقریباً نصف حصّہ فقط

خوراک پر خرچ کرتے ہیں - بمبئی کے مزدور نصف سے ذرا کم حصہ - مگر آمدنی ہزار روپے ماہوار ہو تو ۵۰۰ روپے خوراک پر خرچ نہیں ہونگے - خوراک کتنی ہی مرغن کیوں نہ ہو ؞

یہی وجہ ہے - کہ آمدنی کے محصول کی شرح آمدنی کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہے - ۵۰۰۰ روپے سالانہ آمدنی والا سال میں ۱۶۴ روپے محصول کے دیتا ہے - یعنی آمدنی کا $3\frac{3}{10}$ حصہ - ۲۵۰۰۰ روپے سالانہ آمدنی والا ۲۷۴۲ روپے سال میں انکم ٹیکس دیتا ہے - یعنی آمدنی کا ۱۱ فی صدی حصہ - آمدنی پانچ گنی زیادہ ہے - مگر محصول کی رقم تقریباً ۱۶ گنی زیادہ - چاہیئے بھی یہی - آمدنی ۲۰۰۰ سے کم ہو - تو محصول معاف ؞

۲۵۰۰۰ میں سے ۲۷۴۲ روپے محصول کے دے کر بھی آرام و آسائش و عیش و عشرت کے سامان کے لئے کافی رقم بچ جائے گی - امیروں کو محصول پیٹ کاٹ کر نہیں دینا ہوتا - مگر اسی شرح سے غریبوں پر محصول لگایا جائے - تو بوجھ ناقابل برداشت ہوگا ؞

آمدنی کے محصول کی شرح کا آمدنی کے ساتھ بڑھنا آمدنی کے بڑھنے کے ساتھ روپلے کی آخری ضرورت کے گھٹنے سے وابستہ ہے - فرض کرو - ہوتا یوں - کہ آمدنی کے بڑھنے کے ساتھ روپلے کی آخری ضرورت بڑھتی - اور

آمدنی کے گھٹنے کے ساتھ گھٹتی۔ اس صُورت میں امیروں پر محصول کی شرح ہلکی لگائی جاتی۔اور غریب ناداروں پر زیادہ +

آخری ضرورت گھٹنے کے قانون کی خلاف ورزی

اس قانون کی خلاف ورزی کی اب ہم چند مثالیں دیتے ہیں :-

بعض صورتوں میں آمدنی کے بڑھنے سے حقیقت میں روپے کی آخری ضرورت بڑھ جاتی ہے۔ فرض کرو۔ ایک کلرک یا محرّر کو ۲۵ روپے ماہوار تنخواہ مِلتی ہے۔غریب کیا کھائیگا کیا بچائیگا۔اب اگر تنخواہ ۵۰ روپے ہو جائے۔ اسے خیال پیدا ہوگا۔کہ روپیہ بچا کر اعلےٰ تعلیم حاصل کرنی چاہیئے۔ پہلے سے بھی زیادہ روپے کی قدر کریگا+

تمہارے دِل میں امنگ ہے کہ پنجاب اسمبلی کے ممبر بنو۔ممبر بننا ہنسی کھیل نہیں۔چناؤ پر ہزاروں روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ مگر کہیں سے تمہیں ۲۵ ہزار کی رقم ہاتھ لگ جائے۔ممبری کا سودا سر میں سمائیگا۔اور روپیہ خرچ کرنے میں پہلے سے بھی زیادہ محتاط ہو جاؤ گے+

اور مثالیں لو۔ اِس میں شک نہیں۔کہ دُوسرے لڈو

کھانے سے وہ لطف نہیں حاصل ہوتا جتنا پہلے سے ہوتا ہے۔ مگر پورے لڈو کی بجائے تمہیں اگر ایک دانہ دیا جائے یا ایک لڈو کا ۱/۱۰۰ حصّہ تو جب تک دانے دانے مِل کر ایک لڈو پُورا نہ ہو جائے۔ آخری ضرورت بڑھتی جائے گی۔ گھٹے گی نہیں +

بعض لوگوں کو پُرانے ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ نایاب ٹکٹ جن کی اصلی قیمت دو چار پیسے ہے۔ بعض اوقات سینکڑوں ہزاروں روپے میں بکتے ہیں۔ فرض کرو۔ کسی ملک کا ٹکٹ نایاب ہے۔ اور دُنیا بھر میں اس ملک کے تین ٹکٹ ملتے ہیں۔ دو تمہارے ہاتھ لگ گئے۔ اب تیسرے ٹکٹ کی قدر پہلے دو ٹکٹوں سے بھی زیادہ ہوگی۔ اس وجہ سے کہ تینوں ٹکٹ تمہارے پاس ہوں۔ تو جہان میں تم جیسا خوش نصیب کوئی نہیں +

دیکھا ہوگا۔ کہ شرابی ایک بوتل پی کر دوسری اور مانگتا ہے۔ شراب نے شرابی کو مست کر دیا۔ اور وہ ہمارے قانون کی حد سے باہر نکل گیا +

اسی طرح بعض کتابوں کا جتنا پاٹھ کرو۔ اتنا ہی زیادہ لُطف آتا ہے۔ زیادہ پاٹھ کرنے سے یا تو ہم کتاب کے معنی مطلب زیادہ اچھی طرح سمجھنے لگتے ہیں۔ یا مضمون کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ اور بدل جاتے ہیں +

فیشن کی تبدیلی بھی ہمارے قانون کی خلاف ورزی میں مدد دیتی ہے۔ دیش بھگت سولہ ہیٹ کی قدر نہیں کرتے۔ اگر کسی کے پاس ایک ہیٹ ہے۔تو دوسری ہیٹ کی ضرورت پہلی کے مقابلے میں کم ہوگی۔ مگر فرض کرو۔کہ سارے کانگرسی لیڈر اور صُوبوں کے وزیر نوکیلی ٹوپی کو چھوڑ کر ہیٹ کا استعمال شروع کر دیں۔حقیقت میں ہیٹ زیادہ کارآمد چیز ہے۔دُھوپ سے بچاتی ہے۔آندھی چل رہی ہو۔تو تسمہ ٹھوڑی کے نیچے باندھ کر ہیٹ کو سر پر جما لو۔کیا مجال ہے کہ اُڑ ے۔پھر ہیٹ پہنتے ہی آدمی صاحب بن جاتا ہے۔چہرے پر رعب دبدبہ آ جاتا ہے۔ نوکیلی ٹوپی دھوپ سے نہیں بچاتی۔اور پھونک مارے سے اُڑ جاتی ہے۔ روز دھلوانے کا خرچ الگ۔ رعب و داب کا تو ذکر ہی کیا۔ فرض کرو۔ہیٹ کی خوبیاں پہچان کر کانگرس بھرے اجلاس میں قرار داد منظور کرے۔کہ آئندہ ہر کانگرسی ہیٹ پہنا کرے۔ فوراً ہیٹ کی قدر و منزلت بڑھ جائے گی۔ اور دو کی بجائے چار بھی ہیٹ کوئی خرید لے۔ تو بھی فیشن کی تبدیلی کی وجہ سے شاید ہیٹ کی آخری ضرورت نہ گرے +

خلاف ورزی کی اُوپر کی مثالیں قانون کو ردّ نہیں کر دیتیں۔ نہ قانون اس طرح ردّ ہوتا ہے۔کہ کوئی کہے

کہ بار بار سینما کی سیر سے مجھے زیادہ سے زیادہ لطف آتا ہے۔ ہمیں کسی خاص شخص سے سروکار بھی نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ عام طور پر لوگ اس قانون کے تابع ہیں یا نہیں +

مشاہدہ کیا کہتا ہے۔ ہمارا اپنا تجربہ کیا سکھاتا ہے۔ بچوں کو دیکھو۔ ½۱ سال کے بچے کو کھانڈ بڑی پیاری ہے۔ کٹورا بھر کر سامنے رکھ دو۔ مٹھیاں بھر بھر کر بچہ لے گا۔ کچھ پھینکیگا۔ کچھ کھائے گا۔ مگر آخرکار ہاتھ کھینچ لیگا۔ گویا سیری ہو گئی۔ یا آخری ضرورت صفر کے برابر پہنچ گئی۔ جو حال بچّوں کا وہی جوانوں اور بوڑھوں کا۔ کھانے کی یا استعمال کی کوئی چیز ہی کیوں نہ ہو +

مانگ پر آخری ضرورت کے قانون کا اثر

ہم اُوپر بتا چکے ہیں۔ کہ ہم اگر قربانی کے لئے تیار ہوں۔ تو ضرورت مانگ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ قربانی کی ایک صُورت قیمت کی ادائیگی ہے +

چیز کی قیمت لگا کر ہم مانگ کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر یہی کافی نہیں۔ کہ ہم ایک رنگترے یا نارنگی

کی ایک آنہ قیمت لگائیں۔ اگر قیمت کم ہو۔ تو ہم زیادہ رنگترے خریدینگے۔ جیسا پیچھے کی مثال میں بتایا ہے:۔

قیمت فی رنگترہ	زید کتنے خریدیگا	بکر کتنے خریدیگا	دونو ملاکر
ایک آنہ	۱	۲	۳
تین پیسے	۴	۱۲	۱۶
دو پیسے	۱۲	۲۰	۳۲
ایک پیسہ	۲۴	۳۶	۶۰

ہم نے دو شخص لئے ہیں۔ مگر منڈی میں دو نہیں دو ہزار آدمی ہوں۔ اس سے فرق نہیں پڑتا۔ قیمت کے گرنے سے چیز زیادہ فروخت ہوگی۔ ان اعداد سے زید اور بکر کی رنگتروں کے لئے مانگ کا اظہار ہوتا ہے +

یہ ممکن ہے۔ کہ ایک آدمی قیمت کے گرنے پر بھی زیادہ چیز نہ خریدے۔ مگر علم دولت میں بحث اس سے نہیں۔ کہ ایک آدمی کیا کریگا یا نہ کریگا۔ عام طور پر بھاؤ کے گرنے کا عام لوگوں کی مانگ پر کیا اثر ہوتا ہے؟ مانگ بڑھ جاتی ہے۔ اور بھاؤ کے چڑھ جانے سے مانگ کم ہو جاتی ہے۔ یا یوں کہو۔ کہ بیچنے والے سستے کا لالچ دے کر ہی نئے گاہک پیدا کرتے ہیں۔ اور پرانے گاہکوں کے ہاتھ زیادہ

چیز بیچتے ہیں۔ لالچ دینا آخری ضرورت کے قانون کے مطابق ہے۔ ایک رنگترہ میں ایک آنے میں خرید لونگا۔ مگر چار اس قیمت پر نہیں لونگا ٭

لچک دار اور بے لچک مانگ

لچک دار مانگ سے مطلب ہے مانگ جس پر قیمت کے گھٹنے بڑھنے کا اثر ہو۔ اگر قیمت بڑھنے سے مانگ گھٹے۔ اور قیمت کے گرنے سے مانگ بڑھے۔ تو مانگ لچک دار ہے۔ اگر قیمت کے گھٹنے بڑھنے کا مانگ پر مطلق اثر نہیں ہوتا۔ تو مانگ بے لچک ہے

فرض کرو۔ نمک کی قیمت آدھی رہ جائے۔ تم نمک دُگنا کھانے لگوگے؟ اگر تمہاری نمک کی مانگ میں قیمت کے گھٹنے بڑھنے سے فرق نہیں پڑتا۔ تو تمہاری مانگ بے لچک ہے ٭

گھی دودھ کی مانگ لچک دار ہے۔ مگر رئیسوں کی مانگ گھی دودھ کی قیمت کے بڑھنے گھٹنے سے نہیں گھٹتی بڑھتی۔ ہاں اگر موٹر کاریں سستی ہو جائیں۔ تو رئیس زیادہ خریدینگے۔ میں یا تم نہیں ٭

ایک ہی شے کے لئے ایک جماعت یا طبقے کی مانگ لچک دار ہو سکتی ہے۔ اور دوسری جماعت یا طبقے کی بے لچک یا کم لچک دار۔ سینکڑوں مثالیں

دی جا سکتی ہیں +
اگر ملک بھر کی مانگ کو دیکھیں۔ تو نمک کی قیمت گھٹنے سے نمک کی بکری زیادہ ہو جاتی ہے۔ نمک انسان ہی نہیں کھاتے۔ جانوروں کو دیا جاتا ہے۔ اور صنعتوں میں بھی برتا جاتا ہے +
لچک دار مانگ ربڑ کی طرح ہے۔ ربڑ کو کھینچو۔ تو بڑھ جاتا ہے۔ اور چھوڑ دو۔ تو سکڑ جاتا ہے +

لچک درجہ ایک

فرض کرو۔ میری انگوروں کے لئے مانگ ذیل کے اعداد سے ظاہر ہوتی ہے :-

انگور

قیمت فی سیر	مانگ فی سیر	کُل قیمت
ایک روپیہ	۱	ایک روپیہ
بارہ آنے	۱$\frac{1}{3}$	ایک روپیہ
آٹھ آنے	۲$\frac{1}{2}$	سوا روپیہ
چھ آنے	۳	ایک روپیہ دو آنے
چار آنے	۳$\frac{1}{2}$	چودہ آنے

قیمت گرنے پر میں زیادہ انگور خریدونگا۔ مگر دوسرے خانے کے اعداد سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قیمت ۸ر سے ۴ر رہ جائے۔ تو میری مانگ دگنی نہیں ہو جاتی۔ ایک

سیر بڑھتی ہے۔ اگر مانگ اس طرح بڑھے۔ کہ مانگ کو قیمت میں ضرب دینے سے کُل قیمت نہ گھٹے نہ بڑھے تو مانگ کی لچک کا درجہ ایک مانا جاتا ہے۔ قیمت ۴ر کم ہونے پر میں ۱/۴ سیر انگور زیادہ خریدتا ہوں۔ اور میرا کل خرچ ایک روپیہ ہوتا ہے۔ جو پہلے تھا میری مانگ کی لچک کا درجہ اس صورت میں ایک ہے۔ ۸ر اور ۶ر قیمت ہونے پر لچک کا درجہ ایک سے بڑھ جاتا ہے۔ اور ۳ر ہونے پر ایک سے نیچے چلا جاتا ہے ۔

مطلب یہ ہے۔ کہ جب لچک کا درجہ ایک سے نیچے گیا۔ سیری ہونے لگی۔ اگر لچک کا درجہ ایک سے زیادہ ہے۔ سیری ابھی دُور ہے ۔

دَولت کے استعمال میں مختلف اشیاء کی آخری ضرورتوں کو برابر کرنے کی کوشش

فرض کرو۔ تم لاہور شہر میں رہتے ہو اور تمہاری ماہوار آمدنی سو روپے ہے۔ تم آمدنی کو کس طرح خرچ کروگے ؟

عقلمند ہو۔ تو کچھ روپیہ ماہوار بچاؤگے بھی۔ فرض کرو۔ تم ۲۵ روپے جمع کرتے ہو۔ اور ۷۵ روپے خرچ

کرتے ہو - شادی شدہ نہیں ہو - بیوی بچوں کے خرچ
سے آزاد ہو - نمک تیل لکڑی پر روپیہ خرچ ہوگا -
دودھ گھی مکھن کا بھی استعمال کروگے - پھل بھی کھاؤگے
مٹھائی بھی نوش کروگے - اور مہینے میں ایک دو بار
سینما کی سیر بھی ہوگی ٭

علم دولت سے بے بہرہ ہوتے ہوئے بھی تمہارے
اخراجات میں ایک ترکیب یا تناسب پایا جائے گا - یہ
نہیں ہوگا کہ خوراک پر ۵ روپے ماہوار خرچ ہو مٹھائی
پر ۱۵ روپے اور سینما پر ۲۵ روپے - کیوں نہیں ؟
اس وجہ سے کہ سینما پر ۲۵ روپے خرچ کرنے
سے سینما کی اختتامی یا آخری ضرورت صفر کے برابر
پہنچ جائے گی - اور خوراک کی آخری ضرورت کم ملنے
کی وجہ سے بڑھی ہوئی ہوگی - خرچ میں تناسب یا
ترکیب کے یہ معنی ہیں - کہ خرچ اس انداز سے ہو
کہ ہر چیز کی جس پر تمہارا روپیہ خرچ ہوتا ہے -
آخری ضرورت برابر رہے - اور جب ہر چیز کی آخری
ضرورت برابر ہوگی - تم اپنے خرچ سے زیادہ سے
زیادہ فائدہ اٹھاؤگے ٭

آگے دی ہوئی تصویر میں ہم نے دو چیزیں لی
ہیں - جن پر روپیہ خرچ ہوتا ہے - سینما اور دودھ -
خرچ یا چیز کی مقدار ناپنے کا گز - ش ب ہے اور

لُطف یا ضرورت ناپنے کا شؔ اؔ - سینما کے خرچ سے
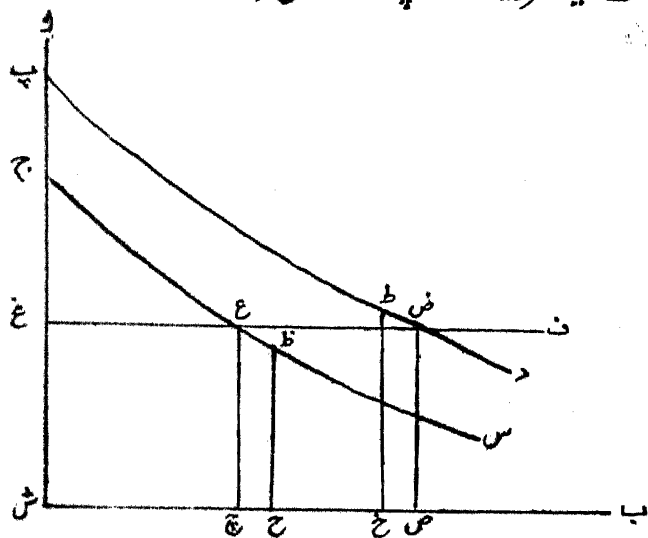
جو لُطف حاصل ہوتا ہے۔ ٹیڑھی لکیر ج س سے ظاہر ہے۔ اور دودھ پینے سے جو فائدہ ہوتا ہے۔ وہ پ د کی لکیر ظاہر کرتی ہے۔ دونوں لکیروں کا رُخ اُوپر سے نیچے کی جانب ہے۔ یہ لازمی ہے۔ کیونکہ جتنا کسی چیز کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی آخری ضرورت گھٹتی جاتی ہے۔ کل رقم جو ہمارے پاس ہے شؔ چؔ + شؔ صؔ ہے *

فرض کرو۔ شؔ چؔ روپیہ سینما پر خرچ کیا۔ اور شؔ صؔ دودھ پر۔ سینما کی آخری ضرورت عؔ چؔ ہوگی۔ اور کل لُطف

جو حاصل ہوا ش چ ع ج کے برابر ہے۔ دودھ پر ش ص روپیہ خرچ ہوا۔ دودھ کی آخری ضرورت ض ص کے برابر ہے۔ اور کل دُودھ کا فائدہ ش ص ض پ کے برابر ہے۔ اس صُورت میں دودھ اور سینما کی آخری ضرورت برابر ہے۔ کیونکہ تصویر میں ع ج = ض ص ٭

ہمیں ثابت یہ کرنا ہے۔ کہ اگر دونوں کی آخری ضرورتیں برابر نہ ہونگی۔ تو خرچ سے فائدہ زیادہ سے زیادہ نہ ہوگا ٭

فرض کرو۔ ہم نے ح چ روپیہ اور سینما پر صرف کیا۔ کیونکہ کُل خرچ کی رقم مقرر ہے۔ اس لئے دُودھ اتنا ہی روپیہ کم خرچ کرنا ہوگا۔ ش ص میں سے ص خ = ح چ روپیہ گھٹا دیا۔ اب سینما کی آخری ضرورت گِر کر ط ح رہ گئی۔ اور دُودھ کی آخری ضرورت ذرا بڑھ گئی۔ = ط خ + ط خ بڑی ہے ط ح سے ٭

سینما کی سَیر سے جو پہلے کُل لُطف حاصِل ہوتا تھا۔ اس میں اضافہ چ ح ط ع کا ہوا۔ مگر دودھ پینے سے جو فائدہ ہوتا تھا۔ اس میں خ ص ض ط کی کمی ہو گئی۔ کون سا رقبہ بڑا ہے۔ اضافے کا یا نقصان کا۔ نقصان زیادہ ہوا۔ اور لُطف میں اضافہ کم۔ ثابت ہو گیا۔ کہ خرچ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصِل کرنے کے لئے خرچ اس انداز سے کرنا چاہیئے۔ کہ ہر چیز کی

آخری ضرورت برابر ہو جائے ۔

اگر پہلے ہم ۸ کا ۲ روپیہ دودھ پر خرچ کرتے تھے۔ اور ۸ کا ۲ روپیہ سینما پر۔ تو سینما پر خرچ کم کرنے اور دُودھ زیادہ پینے میں فائدہ ہوگا۔ دو چار سینما کے تماشوں کو ہم دودھ میں بدل دینگے ۔

اس قسم کی ادل بدل ہم روز مرّہ کرتے رہتے ہیں۔ مٹھائی کی جگہ دودھ یا پھل۔ سینما کی جگہ کتابیں۔ کتابوں کی جگہ کپڑے۔ کپڑوں کی جگہ کھانے پینے کی اشیاء۔ اس ادل بدل کا مقصد ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ کہ اشیاء کی آخری ضرورت برابر ہو جائے ۔

کوئی جان بوجھ کر اس قانون کی خلاف ورزی کرکے قانون کو جھٹلا نہیں سکتا۔ مثلاً اگر میں کہوں کہ میرے واسطے گھی اور مٹھائی کی آخری ضرورت اس صورت میں برابر ہوتی ہے۔ کہ گھی پر مہینے میں آٹھ آنے خرچ کروں۔ اور مٹھائی پر ۵۰ روپے۔ تم جواب دوگے کہ عقل ٹھکانے نہیں معلوم ہوتی ۔

اُوپر کی بحث کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ آدمی دُودھ گھی مکھن یعنی ان اشیاء پر ہی روپیہ خرچ کرے۔ جو ضروریات میں سے ہیں۔ نہیں۔ کسی کو پڑھنے لکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ کتابوں کے دلدادہ کتب خانے جمع کرتے ہیں۔ مصوّر تصویروں پر روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اگرچہ تصویریں

دیکھنے سے نہ پیٹ بھرتا ہے۔ نہ بدن میں طاقت آتی ہے۔ اپنے اپنے مذاق اور اپنی اپنی پسند کے مطابق ہم آمدنی خرچ کرتے ہیں۔ مگر کوشش یہی ہوتی ہے۔ کہ خرچ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کریں +

عام طور پر پیسہ دو پیسہ خرچ کرنا ہو۔ تو ہم سوچ میں نہیں پڑ جاتے۔ کہ پیسے کا گھی خریدنے میں زیادہ فائدہ ہوگا۔ یا پیسے کے دو کھیرے۔ مگر بائیسکل خریدنی ہو۔ تو ضرور سوچیں گے۔ کہ ۶۰ روپے کی بائیسکل یا کپڑے لتّے یا کتابیں یا میز کرسی خریدنے میں زیادہ فائدہ ہوگا+

خریدار کو بچت

اشیاء خریدنے میں خریدار کو تقریباً ہمیشہ ہی بچت رہتی ہے +

تم کہو گے یہ کس طرح؟ مَیں نے ۱۲؍ کے چار رنگترے خریدے۔ رنگتروں کی پوری قیمت دی۔ بچت کہاں ہوئی؟

مگر بچت ہوئی ہے اور کافی۔ تم نے چاروں رنگترے تین پیسے فی رنگترے کے حساب سے اکٹھے لئے۔ فرض کرو۔ الگ الگ رنگترے خریدتے۔ پہلے رنگترے کی تمہیں اشد ضرورت ہے۔ شاید ڈاکٹر نے کہا ہے۔ کہ رنگترے ضرور کھایا کرو۔ پہلا رنگترہ حاصل کرنے کے لئے تم ۴؍ دینے کو تیار ہو جاؤ گے۔ دوسرے رنگترے کے لئے دو آنے۔

تیسرا رنگترہ ایک آنے میں خریدو گے۔ اور آخری تین پیسے میں +

رنگترہ	قیمت جو تم دینے کو تیار ہو جاتے	قیمت جو تم نے دی
پہلا	۴ر	ٹر
دوسرا	۲ر	ٹر
تیسرا	ار	ٹر
چوتھا	ٹر	ٹر
	ٹٹر	۳ر

تمہیں ٹٹر کی بچت ہوئی۔ ان رنگتروں سے جو تمہیں فائدہ یا حظ حاصل ہوا ٹٹر کے برابر ہے۔ مگر تمہارا خرچ کل ۳ر ہوا۔ ہر رنگترے کی قیمت تم نے رنگتروں کی آخری ضرورت کے حساب سے دی۔ آخری ضرورت تین پیسوں کے برابر ہے۔ مگر اوّل تین رنگتروں کی ضرورت ۴ + ۲ + ۱ = ۷ر ہے۔ اور ان پر تمہارا کل خرچ ٹر ہوا۔ رنگترے خرید کر گویا تم نے ٹٹر بچا لئے +

معترض کہے گا۔ کہ یہ حساب فرضی ہے۔ بے شک فرضی ہے۔ مگر فائدہ یا بچت فرضی نہیں۔ ہزاروں اور مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ کارڈ دو پیسے کا آتا ہے۔ اگر کارڈ کی قیمت ۴ر بھی سرکار مقرر کرے۔ تو بھی تم ضرور کارڈ خریدا کرو گے۔ کیوں؟ اگر کارڈ نہ لکھو گے۔ تو خبر کیونکر پہنچاؤ گے۔ تمہارے رشتے دار مدراس یا بمبئی میں

ہیں۔ ہرکارہ بھیجنا ناممکن ہے۔ ۴ر میں بھی کارڈ سستا ہے۔

سگرٹ پینے والے دیا سلائی کا بکس جیب میں رکھتے ہیں۔ قیمت ایک پیسہ۔ اگر بکس کی قیمت ۸ر بھی ہو۔ تو بھی سگرٹ نوشوں کو بکس خریدنا پڑے گا۔ ورنہ جیب میں چقماق پتھر اور گھاس کے تنکے بھرنے پڑینگے۔ جب سگرٹ جلانا ہوا۔ پہلے پتھر کو پتھر پر رگڑ کر شعلہ پیدا کیا۔ پھر گھاس کے تنکوں کو جلایا۔ اور بعد ازاں سگرٹ۔

روزانہ ۲۰-۲۴ صفحے کا اخبار ایک آنے میں ملتا ہے۔ جس میں دنیا بھر کی خبریں ہوتی ہیں۔ فرض کرو۔ تمہیں سیاسی اور اقتصادی دنیا سے دلچسپی نہیں ہے۔ مگر انٹرنس کا نتیجہ نکلا ہے۔ جو اخبار میں چھپا ہے۔ تم معلوم کرنا چاہتے ہو۔ کہ تمہارے دوست پاس ہوئے یا فیل۔ اگر اس پرچے کی قیمت ۴ر بھی ہوتی۔ تو بھی تم خرید لیتے۔ اگر ایک آنہ خرچ ہوا ہے۔ تو ۳ر کی بچت ہوئی۔ یا نہیں۔

اشیاء کے سستی ہونے سے خریدار کی بچت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ برف عام طور پر ۴ر ۶ر سیر بکا کرتی تھی۔ اب ۱ر یا ۰ر سیر۔ جب سے موٹر لاریوں نے ریلوے کا مقابلہ شروع کیا ہے۔ ریل کا کرایہ گھٹ گیا ہے۔ پہلے اچھی بائیسکل ۱۵۰ روپے میں آتی تھی۔ اب ۱۰۰ روپے میں۔ معمولی بائیسکل پہلے ۱۰۰ روپے کی ملتی تھی۔

اب ۴۰ ـ ۵۰ روپے میں خاصی اچھی کام کی بائیسکل مل جاتی ہے۔ گاہک کو بچت ہوئی یا نہیں +

شہریوں کو پانی بہم پہنچانے کا اِنتظام میونسپل کمیٹی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ کمیٹی پانی کی قیمت مقرر کرتی ہے غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ پانی جتنا ممکن ہو سستا دیا جائے یہ نہیں کہ زیادہ سے زیادہ کمیٹی نفع کمائے۔ اگر پانی مہنگا ہو۔ تو اوّل خریدار کی بچت جس کا اُوپر ذکر ہُوا گھٹ گئی۔ دوم بعض لوگ کم سے کم پانی لیا کرینگے۔ نہائیں گے شاذ و نادر۔ اور بیماریوں کا شکار بن جائینگے +

ماننا پڑیگا۔ کہ حقیقت میں خریدار کو بچت ہوتی ہے گو اس بچت کا روپوں میں ٹھیک اندازہ لگانا مشکل یا ناممکن ہے۔ کوئی پیاسا مر رہا ہے۔ ایک گلاس پانی کے بدلے میں وہ اپنی تمام دولت دینے کو تیار ہو جائے گا۔ کوئی بیمار ہے۔ اور دوا نہ ملے۔ تو بیڑا پار ہے۔ دوا کی شیشی جس میں بیمار کی جان ہے۔ لاکھ روپے میں بھی سستی۔ اگر شیشی ایک روپیہ میں ملی۔ تو یہ کہنے سے کچھ حاصل نہیں۔ کہ بیمار کو ایک روپیہ کم لاکھ روپیہ کی بچت ہوئی +

بچت کی اصلی شکل وہ لُطف یا فائدہ ہے۔ جو بغیر پیسے خرچ کئے حاصل ہُوا۔ قیمت آخری ضرورت کے مطابق دی جاتی ہے۔ مگر آخری ضرورت اور کل فائدے میں

فرق ہے +

تم نے چار لڈو کھائے۔ان کے درجۂ لطف ہیں ۴-۳-۲-۱-کل لُطف جو حاصل ہُوا ۱۰ روپے ہے۔مگر سب لڈو ایک جیسے ہیں۔اگر چاروں اکٹھے خریدو گے۔تو ان کی قیمت ہر لڈو کے درجہ لُطف کے مطابق نہیں دوگے ان چاروں میں سے کوئی سا لڈو یا ہر ایک لڈو تمہارا آخری لڈو ٹھیرایا جا سکتا ہے۔پس اگر آخری لڈو کے لئے تم دو پیسے دوگے۔تو چاروں لڈوؤں کے لئے ۲ر خرچ کروگے۔زیادہ نہیں۔لُطف جس کی قیمت تم نے ادا کی۔۴ درجے ہے۔برابر ۲ر۔مفت جو لطف حاصل کیا۔ ۶ درجے ہے۔تمہیں ۶ درجے لُطف کی بچت ہوئی +

ادل بدل کی اشیاء

ہم نے اوپر کہا ہے۔کہ اگر کسی کا سینما پر روپیہ زیادہ خرچ ہوتا ہے۔اور دودھ پر کم۔تو وہ دو چار سینما کے تماشے دودھ میں بدل لیگا۔مگر سینما اور دُودھ ادل بدل کی چیزیں نہیں +

ادل بدل کی اشیاء کی مثالیں ہیں دالیں سبزیاں۔اُڑد کی دال مہنگی ہو جائے۔تو لوگ مونگ یا ارہر کی دال کھانے لگیں گے۔آلو مہنگے ہو جائیں۔تو مٹر۔مٹر مہنگی ہو

تو بینگن ۔ ساگ ۔ اروی +

یورپ میں چاء اور قہوہ ادل بدل کی چیزیں ہیں۔ ہندوستان میں گرمیوں میں شربت پینے کا عام رواج ہے ۔ شربت ہے گلاب کا ۔ صندل کا ۔ کیوڑے کا ۔ اگر شربتوں کی قیمت بڑھ جائے ۔ تو شکنجبین موجود ہے +

یہ ضروری نہیں ۔ کہ ادل بدل کی چیزیں ایک ہی قیمت پر فروخت ہوں ۔ مگر ان کی قیمتوں کی نسبت میں زیادہ فرق نہیں پیدا ہو سکتا ۔ فرض کرو ۔ گلاب کے شربت کا گلاس ۲ر میں ملتا ہے ۔ اور کیوڑے کے شربت کا ۱ر میں ۔ یہی نسبت قائم رہے گی ۔ اگر گلاب کے شربت کا گلاس ۳ر میں ملنے لگے ۔ بہت سے لوگ اس کی جگہ کیوڑے کا شربت پینا شروع کر دینگے +

روٹی مکّی کے آٹے کی بھی بنتی ہے ۔ اور گیہوں کے آٹے کی بھی ۔ اگر گیہوں دس روپے من ہو ۔ اور مکّی ۵ یا ۶ روپے من ۔ تو مکّی کا آٹا زیادہ بکیگا ۔ گیہوں کی جگہ مکّی کا آٹا لے لیگا +

باب دوم

فصل ۳

دَولت پیدا کرنا

جس طرح ہم کسی شے کو جڑ مُول سے نیست ونابود نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ہم نئی چیز پیدا بھی نہیں کر سکتے ۔

دَولت پیدا کرنے کی ایک مثال ہے بیج بونا اَور کھیتی اُگانا۔ بیج قدرت نے عطا کیئے ہیں۔ سُورج کی گرمی پانی اور ہوَا قدرت کے عطیّے ہیں کسان نے محنت البتّہ کی ۔

بڑھئی نے ہل بنایا۔ وہ کس طرح۔ ہل کی لکڑی جنگل سے کاٹی گئی۔ لوہا زمین کھود کر نکالا گیا محنت سے بڑھئی نے لوہے اور لکڑی کی شکل بدل دی۔ اَور ہل تیار ہو گیا ۔

اَور جو جی چاہے مثال لے لو۔ ہر چیز کا مصالحہ

قدرت بہم پہنچاتی ہے - انسان کا کام یہ ہے - کہ اس مصالحے کو ترتیب اس طرح دے - کہ کارآمد شے بن جائے +

کارخانوں میں کپڑا تیار ہوتا ہے - کپاس کھیتوں میں اگائی جاتی ہے - کلیں لوہے لکڑی کی بنتی ہیں - کارخانہ مٹی چونے پتھر کا +

پہلے خیال تھا - کہ دولت پیدا کرنے والے وہ لوگ ہیں - جو کارآمد اشیاء تیار کرتے ہیں - یا تیار کرنے میں مدد دیتے ہیں - مثلاً کھیتی اگانے والے کسان اور کارخانوں میں اشیاء تیار کرنے والے مزدور +

مگر دولت میں خدمات بھی شامل ہیں - وہ خدمات جن کی اجرت ملے - سپاہی اشیاء نہیں بناتا - ملک کی حفاظت کرتا ہے - گویا راگ الاپتا ہے - منصف عدالت میں انصاف کرتا ہے - یا ملک و قوم کی خدمات بجا لاتا ہے - ان کو بھی دولت پیدا کرنے والوں کی فہرست میں درج کیا جائے گا - آپ سپاہی - قاضی منصف کے بارے میں کہہ سکتے ہیں - کہ اگر فوج اور عدالتیں نہ ہوں - تو ملک میں گڑ بڑ ہوگی - اور اس طرح نئی دولت کم پیدا ہوگی - اور پیدا کی ہوئی دولت ضائع ہو جائے گی - مگر گویوں ایکٹروں کی عدم موجودگی سے ملک کی دولت میں فرق نہیں آئے گا - پھر بھی گویّے ایکٹر دولت پیدا

کرنے والوں میں شامل ہیں۔ اس وجہ سے کہ ان کی خدمات کی قیمت لگتی ہے +

جو کوئی کچھ بھی کام کرتا ہے۔ جس کی اُجرت ملتی ہے دولت پیدا کرتا ہے +

دایہ جو بچے کو پالتی ہے۔ دولت پیدا کرنے والوں میں شامل ہے۔ مگر ماں کی محبّت اور خدمت اگرچہ دایہ کے مقابلے میں ہزار درجے بڑھ چڑھ کر ہے لا قیمت ہے۔ اور ہمارے مضمون کی حدود سے باہر +

خدمات کا بجا لانا جن کی اُجرت ملے۔ اور اشیاء کا پیدا کرنا جن کی قیمت ملے۔ دولت پیدا کرنا ہے +

دولت پیدا کرنے اور دولت کی تقسیم میں بھی چار حصہ دار ہیں۔ اوّل زمین۔ دوم محنت۔ سوم سرمایہ۔ اور چہارم ترتیب +

زمین کاشتکار کی اپنی نہیں ہے۔ تو زمین کے مالک سے لگان پر لینی پڑیگی +

محنت کرنے والے کو اُجرت ملتی ہے۔ خواہ محنت جسمانی ہو۔ خواہ دماغی +

سرمایہ وہ دولت ہے۔ جو اور دولت پیدا کرنے میں مدد دے۔ اس کی شکل خواہ زر ہو۔ خواہ ٹیڑھی اشیاء۔ جیسے چرخہ۔ کلیں +

زمین بھی سرمایہ ہے۔ چونکہ دولت پیدا کرنے میں مدد

دیتی ہے۔ چاہو زمین کو قدرتی سرمایہ کہہ دو۔
عقل انسانی بھی سرمایہ ہے۔ اسے ذاتی سرمایہ کہہ دو۔ درزی کی کپڑا سینے کی مشین اور درزی کی عقل میں اگرچہ دونوں سرمایہ ہیں۔ فرق کرنا ضروری ہے۔ ایک بے جان مادّی چیز ہے۔ دُوسری غیر مادّی سرمایہ سُود کا حقدار ہے۔
ترتیب بھی دولت پیدا کرتی ہے۔ ترتیب دینے والا نفع کماتا ہے۔ کارخانہ دار ہو یا کوئی اور۔

فصل ۴

سرمایہ

ہم اُوپر ٹیڑھی اور سیدھی اشیاء میں فرق بتا چکے ہیں۔ عام طور پر سرمایہ میں وہ اشیاء شامل کی جاتی ہیں۔ جو بہاہ راست نہیں ٹیڑھے طور پر انسانی ضروریات یا خواہشات پوری کرنے میں مدد دیں۔ جُوتا سیدھی شے ہے۔ اوزار اور کلیں۔ چمڑا۔ دھاگا اور سُوت ٹیڑھی اشیاء ہیں۔
مگر یہ تعریف دقتوں سے خالی نہیں۔ کیونکہ ایک ہی شے ٹیڑھی اور سیدھی دونوں ہو سکتی ہے۔ میں روٹی کھاتا ہُوں۔ روٹی سیدھی شے مانی جائے گی۔ کیونکہ بھوک

مٹاتی ہے ۔ مگر روٹی کام کرنے کی طاقت بھی پیدا کرتی ہے ۔ روٹی کھاتے وقت مَیں جی میں کہتا ہوں ۔ پیٹ بھر کر روٹی کھا لو ۔ کام کرنا ہے ۔ آج دن بھر سر کھجانے کی فرصت نہیں ملے گی ۔ فوراً پیٹ میں پڑتے ہی روٹیاں سرمایہ بن گئیں +

ڈاکٹر کے لئے جسے روزانہ بہت سے مریض دیکھنے جانا ہوتا ہے ۔ موٹر کار سرمایہ ہے ۔ مگر ڈاکٹر صاحب اسی موٹر کار میں بیٹھ کر شام کو ہوا خوری کو نکلیں ۔ تو موٹر کار سرمایہ نہیں ۔ سیدھی تفریح کی شے بن گئی ۔ ایک ہی ریل گاڑی میں سیاح بھی ہوتے ہیں ۔ اور بیوپاری بھی ۔ بیوپاری ریل میں بیوپار کی خاطر سفر کرتے ہیں ۔ سیاحوں کے لئے ریل تفریح کا ذریعہ ہے ۔ گویا ریل سیدھی شے ہے ۔ اور ٹیڑھی بھی +

ایک اور سوچنے کے لائق بات ہے ۔ مٹھائی سیدھی شے مانی جائے گی ۔ مٹھائی دل خوش کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے ۔ طاقت پیدا کرنے کے لئے نہیں ۔ مگر مٹھائی دفعتاً اُڑ جائے ۔ تو ہم اور مٹھائی بنائیں گے یا نہیں ۔ اگر نہیں بنائیں گے ۔ تو ہمیں مٹھائی کی اصلا ضرورت نہ تھی ۔ اگر بنائیں گے ۔ تو مٹھائی بنانے میں وقت لگے گا ۔ اس وقت کو ہم کلیں تیار کرنے میں صرف کرتے ۔ تو ملک کی دولت میں اضافہ ہوتا ۔ غرض

یہ کہ مٹھائی کے غائب ہو جانے سے ہماری دولت پیدا کرنے کی طاقت میں کمی پیدا ہوگی ۔

فرض کرو۔ ایک آدمی اکیلا ایک غیر آباد ٹاپو میں رہتا ہے۔ اپنی محنت سے اس نے کھیتی کرنے کے لئے ہل بنایا ہے۔ اور آرام سے بیٹھنے کے لئے میز کرسی۔ ہل کو تم سرمایہ کہو گے۔ اور میز کرسی کو دولت جو سرمایہ نہیں ہے۔ مگر اس کی کرسی پر لگا کر اُڑ جائے۔ تو دوسری کرسی تیار کرنی ہوگی۔ اس وقت میں جو کرسی بنانے میں لگا۔ اگر یہ آدمی ایک گوڈی اور کر لیتا۔ تو پیداوار بڑھ جاتی۔ کرسی کے اُڑ جانے سے اس کی دولت میں فرق پڑے گا ۔

اس نقطۂ خیال سے ہر چیز خواہ سیدھی ہو۔ خواہ ٹیڑھی جو دولت میں شامل ہے۔ سرمایہ میں بھی شامل ہے۔ شرط یہ ہے۔ کہ شے کار آمد ایسی ہو کہ غائب ہو جائے۔ تو پھر بنانی پڑے ۔

عملی طور پر سرمایہ کی تعریف تمام دولت نہیں ہے۔ فقط وہ دولت ہے۔ جو اور دولت پیدا کرنے میں براہِ راست مدد دے ۔

ہندوستان کا سرمایہ کیا ہے۔ زمین کو چھوڑ دو۔ کیونکہ زمین قدرتی سرمایہ ہے۔ ان اشیاء کو لو جو محنت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور ان اشیاء کو بھی چھوڑ دو۔ جو براہِ راست

ضروریات پوری کرتی ہیں۔ مثلاً آٹا۔ دال گھی رہنے کے مکان اور تفریح کا سامان + تمام اوزار۔ کلیں۔ کارخانے۔ ریلیں۔ جہاز۔ کشتیاں جو کاروبار میں برتی جاتی ہیں۔ ہندوستان کا سرمایہ ہیں +

سرمایہ کی کئی طرح تقسیم کی جاتی ہے:-

۱-**مزدوروں کا سرمایہ**۔ خوراک جو مزدور کھائیں۔کپڑے جو وہ پہنیں۔ مکان جن میں وہ رہیں۔ اس وقت جب کہ دولت پیدا کر رہے ہیں۔مزدوروں کا سرمایہ کہلاتا ہے۔ باقی سرمایہ مثلاً کارخانہ۔ کچا مصالحہ جو اشیاء بنانے میں کام آتا ہے۔ اور کلیں امدادی سرمایہ کہلاتا ہے+

۲-**قائم اور بدلنے والا سرمایہ**۔ایک ہی موزے بنانے والی کل سے ہزارہا جوڑے موزے تیار ہوتے ہیں۔ ایک جوڑی موزہ بنانے کے بعد کل بدلنی نہیں پڑتی۔ کل قائم سرمایہ ہے۔ مگر اون یا سوت جو ایک جوڑی موزہ بنانے میں صرف ہو گیا۔ اور جوڑی موزے بنانے کے کام میں نہیں آتا۔ اون یا سوت بدلنے والا سرمایہ ہوا۔ جتنے موزے زیادہ بناؤ گے۔اتنا ہی زیادہ اون یا سوت درکار ہوگا +

۳-**مخصوص اور غیر مخصوص سرمایہ**۔مخصوص وہ سرمایہ ہے۔جو ایک ہی کام کے لئے مخصوص ہو۔چارہ کاٹنے کی مشین چارہ کاٹنے ہی کے کام کی ہے۔

کپڑا سینے یا جُوتے بنانے کے کام کی نہیں +

غیر مخصوص سرمایہ وہ ہے۔ جس سے ایک سے زیادہ کام نکلیں۔ ریل گاڑیاں مویشی بھی لے جاتی ہیں۔ ان ہی میں چُونا پتھر بھی بھر دو۔ اَور میلے تماشے کے موقع پر ان ہی گاڑیوں میں مسافر بھی لاد دِیے جاتے ہیں +

شخصی سرمایہ اور ملک کے سرمایہ میں فرق ہے۔ حلوائی کے نقطہ خیال سے اس کی کڑھائی سرمایہ ہے۔ اَور مٹھائی بھی۔ ملک کے نقطہ خیال سے کڑھائی سرمایہ ضرور ہے۔ مگر مٹھائی نہیں۔ مٹھائی حلوائی کے لئے سرمایہ ہے۔ کیونکہ مٹھائی بیچ کر حلوائی آمدنی پیدا کرتا ہے +

فرض کرو۔ حلوائی کے پاس اپنا دس ہزار روپیہ جمع ہے۔ یہ رقم سرمایہ ہے۔ یا نہیں +

اگر اس رقم میں سے نِصف حِصّہ حلوائی نے اپنے لڑکے کے بیاہ میں خرچ کرنے کے لئے الگ رکھا ہے۔ اَور باقی نِصف کاروبار کے لئے۔ تو نِصف رقم سرمایہ ہے۔ اَور نِصف دَولت +

حلوائی کی مٹھائی بنانے کی سمجھ یا اس کا ہُنر ذاتی سرمایہ ہے +

سرمایہ کی دو خصوصیتیں - ضروری اور غیر ضروری

سرمایہ کی دو خصوصیتیں ہیں - اوّل ضروری خصوصیّت۔ اس کا ذکر اُوپر آ چکا ہے۔ سرمایہ وہ دَولت ہے۔ جو اَور دولت پَیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔ مٹھائی کھانے کے کام کی ہے۔ مگر کڑھائی مٹھائی بنانے میں مدد دیتی ہے۔ کپڑا تن پوشی کے کام میں آتا ہے۔ مگر کھڈی سے کپڑا تیار ہوتا ہے۔ ہر قسم کے اوزار اَور کلیں جَیسا ہم اُوپر بتا چکے ہیں سرمایہ ہیں۔ بغیر سرمایہ کے دَولت پَیدا نہیں ہو سکتی - دیہات میں بغیر سرمایہ کے فصلیں نہیں اُگ سکتیں۔ کارخانوں میں اشیاء نہیں تیار ہو سکتیں - دستکاروں کو بھی اوزار چاہئیں +

سرمایہ دارانہ نظام میں کلوں پر قبضہ سرمایہ داروں کا ہوتا ہے۔ مگر سرمایہ یا کلوں کے بغیر کسی نظام میں بھی گذارا نہیں۔ سوشلسٹ نظام میں بھی سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔ سوشلزم یا اشتراکیت سرمایہ کی دُشمن نہیں ہے۔ مگر اشتراکی نظام میں سرمایہ پر قبضہ حکومت کا ہوگا۔ کلیں سرمایہ داروں کی ملکیّت نہیں ہوتیں - حکومت یا

ملک و قوم کی ملکیّت بن جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہُوا۔ کہ سرمایہ کی ضروری خصوصیت جس کے معنی دَولت پیدا کرنا ہے۔ کِسی نظام میں بھی نہیں اڑ سکتی +

مگر سرمایہ بغیر محنت کے آمدنی پیدا کرتا ہے۔ وہ اِس طرح کہ مَیں نے کسی کمپنی کا سو روپے کا ایک حِصّہ خرید لیا۔ اس حصّہ پر مجھے فرض کرو ہر سال دس روپے منافع ملتا ہے۔ یہ رقم میری کمائی ہوئی مگر کمائی بلا محنت۔ سرمایہ کی یہ خصوصیّت غیر ضروری اس وجہ سے ہے۔ کہ سوشلسٹ نظام میں اُڑائی جا سکتی ہے +

مَیں نے جان کر اُڑائی جا سکتی ہے لکھا۔ حقیقت میں بغیر محنت کی آمدنی کو جڑ مُول سے اڑانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ روس کے نظام کو سوشلسٹ کہا جاتا ہے۔ روس میں سرمایہ دار نہیں۔ تمام کلوں کارخانوں کی مالک حکومت ہے۔ پھر بھی رُوس میں بغیر محنت کی آمدنی پیدا ہوتی ہے۔ اور بانٹی جاتی ہے۔ تنخواہوں میں فرق ہے۔ سب سے کم درجے کے مزدور ۸۰ یا سو رُوبل ماہوار کماتے ہیں۔ روبل اور روپے کی قوت خرید کو دیکھیں۔ تو ایک روپیہ ۸ روبلوں کے برابر ہے۔ سب سے نیچے درجے کے مزدوروں کی ماہواری کمائی دس یا ۱۲½ روپے ہوئی۔ مگر ماہران کو

دس ہزار۔ بیس اور تیس ہزار روبل تک ماہوار تنخواہ
ملتی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ سب سے نیچے درجے کے
مزدور روپیہ جوڑ نہیں سکیں گے۔ بڑی بڑی تنخواہیں
پانے والے شان سے رہیں گے بھی اور روپیہ جوڑینگے
بھی۔ خوشحال رُوسی روپیہ یا بچت سرکاری بنکوں میں جمع
کرا دیں۔ یا حکومت کو قرض دے دیں۔ اس روپے پر
سُود ملتا ہے۔ یہ بغیر محنت کی آمدنی ہے۔ اس کے
علاوہ ورثہ نہیں اُڑا۔ باپ کی جمع کی ہوئی دَولت
بیٹوں بیٹیوں کو ورثے میں ملتی ہے۔ ورثہ بھی بغیر
محنت کی آمدنی ہے +

کہنا آسان ہے۔ کہ بغیر محنت کی آمدنی اُڑا دو۔
مگر کرنا مشکل۔ روس میں پہلے ورثہ اُڑ گیا تھا۔ مگر پھر
جائز قرار دیا گیا۔ سُود خور رُوس میں موجُود ہیں۔ جو
بھی بنک میں روپیہ جمع کرائے۔ یا حکومت کو قرض
دے۔ سُود کا حقدار ہے۔ حکومت رُوس نے ورثے اور
سُود کے بارے میں کیوں اپنا روّیہ بدلا۔ وجہ صاف
ہے۔ اگر حکومت رُوس امانتوں پر سُود دینا بند کر دے۔
تو لوگ اپنی تمام کی تمام آمدنی کھا جایا کرینگے بچائینگے
نہیں۔ نہ حکومت کو کوئی قرض دیگا۔ اس طرح مُلک
میں سرمایہ کی کمی پیدا ہوگی۔ اگر ورثے کو ناجائز قرار
دیا جائے۔ یا ورثے پر بڑے بھاری محصول لگیں۔

تو بھی دولت مند دولت کو کھا جایا کرینگے۔ یا ضائع کر دیا کرینگے۔ بچائیں گے نہیں۔ اور لازمی طور پر سرمایہ گھٹ جائے گا۔

فصل ۵

کلوں کا استعمال

سرمایہ کے بغیر تو دولت پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ مگر موجودہ زمانے اور اگلے زمانوں میں فرق یہ ہے۔ کہ آج کل طرح طرح کی پیچیدہ کلوں سے دولت پیدا کی جاتی ہے۔ اور پہلے دستکار دستکاری کے اوزاروں سے اشیاء تیار کرتے تھے۔

ایک وہ زمانہ گذرا ہے۔ کہ لوگ کھیتی کرنا نہیں جانتے تھے۔ گذران شکار پر تھا۔ یا کند مول پھل پر۔ پہلے پہلے شکاریوں کے پاس تیر کمان بھی نہیں تھی۔ پتھروں سے شکار کیا جاتا تھا۔ ماہی گیر ہاتھوں سے مچھلیاں پکڑتے تھے۔ ہاتھوں سے مچھلیاں پکڑنی آسان نہیں۔ مگر میں نے خود راوی کے کنارے بارہ دری کے نیچے ہاتھوں سے مچھلیاں پکڑی جاتی دیکھی ہیں۔

ماہی گیر نے لنگوٹا باندھا۔ اور گہرے پانی میں غوطہ لگایا۔ جب باہر نکلا۔ تو ہاتھ میں مچھلی تھی۔ مچھلی کنارے پر پھینکی اور پھر غوطہ لگایا۔ مگر بغیر سرمایہ کی مدد کے ماہی گیر گھنٹہ بھر میں کتنی مچھلیاں پکڑیگا؟

اب شکار میں بندوق سے مدد لی جاتی ہے۔ مچھلیاں پکڑنے کے لئے کشتیاں اور جال استعمال ہوتے ہیں +

جوتے ہاتھ سے بھی بنتے ہیں۔ اور کارخانوں میں کلوں سے بھی۔ کیا فرق ہے؟ سفر کرنا ہو۔ تو پیدل چل پڑو۔ یا گڈے میں سوار ہو جاؤ۔ یا ریل یا موٹر میں بیٹھو۔ کیا فرق ہے؟

ہمارے ملک میں چرخے کا بڑا چرچا ہے۔ مگر ہاتھ کا چرخہ کلوں کے چرخے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کھڈی کپڑا بُننے والی کلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ میرے ایک دوست نے ایک سُوتی ساڑھی خریدی۔ بہت عُمدہ تھی۔ مجھ سے پُوچھا۔ کیا قیمت ہو گی؟ مَیں نے تین روپے قیمت لگائی۔ وہ ہنسنے لگے۔ کہا کہ یہ چرخے کھڈی کا مال ہے۔ ۲۵ روپے قیمت ادا کی تھی۔ باریک دھاری دار قمیضوں کا کپڑا۔ کلوں کا بنا ہُوا چار آنے گز لے لو۔ اور چرخے کھڈی کا ایک روپیہ چار آنے گز +

اُوپر جُوتوں کا ذکر کیا ہے۔ ربڑ کے تلے والی۔ کپڑے کے جُوتے کی جوڑی ایک روپے سوا روپے میں اچھی مل جاتی ہے۔ اَور آسانی سے چھ مہینے نکال دیتی ہے۔ بازار میں موچی سے بنواؤ۔ نہ وہ صفائی ہوگی۔ اور نہ وہ قیمت +

مَیں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ ہاتھ کا کام کلوں کے کام سے ہر صورت میں بدتر ہوتا ہے۔ نہیں۔ ہاتھوں سے بنے ہوئے غالیچے اَور ہزار طرح کی اشیاء جو کمرے سجانے کے کام آتی ہیں۔ مثلاً ہاتھی دانت کے کھلونے۔ صندوقچیاں وغیرہ یا سینے پرونے کا کام کلوں کے کام سے ہزار درجے بڑھ چڑھ کر ہوتا ہے۔ مگر عام استعمال کی اشیاء کلیں با افراط اور سستی بناتی ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کلوں کے استعمال سے دستکاروں کی دستکاری تباہ ہو جاتی ہے۔ ان کی روزی ماری جاتی ہے۔ اَور بے کاری میں اضافہ ہوتا ہے +

کلوں سے بنی ہوئی سستی اشیاء کی درآمد اور دیسی کارخانوں میں کلوں کے استعمال نے ہندوستان میں بیکاری کو بڑھایا ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ہندوستان میں کلیں نہیں بنتیں۔ اگر ایک کارخانے میں ہزار آدمیوں کو نوکری ملتی ہے۔ تو دس ہزار دستکاروں کی روزی ماری جاتی ہے۔ مردم شماری کے اعداد سے ظاہر ہے۔ کہ

۱۹۰۱ء کے بعد زمین کے اُوپر آبادی کا بوجھ بڑھنا شروع ہوُا۔ اور کُل آبادی کے مقابلے میں دستکاروں کی نسبت گھٹنی شروع ہوئی۔ پہلے آبادی کے ۱۵½ فی صدی حصّے کو صنعتیں پالتی تھیں۔ اب یہ نسبت تقریباً دس فی صدی ہے۔ پہلے آبادی کے ۶۵ فی صدی حصّے کا ذریعہ معاش زراعت تھی۔ اب یہ نسبت ۷۱ فی صدی ہے +

مگر یہ ضروری نہیں۔ کہ کلوں کے استعمال سے بے کاری بڑھے۔ کلوں کی وجہ سے بھی کام نکل آتا ہے:-

اوّل۔ اشیاء سستی ہونے کی وجہ سے زیادہ بکیں گی۔ مانگ بڑھ جائے گی +

دوم۔ کلیں بنانے کے لئے آدمیوں کی ضرورت ہوگی + ہمارے ملک میں ریل کے انجن نہیں بنتے۔ پھر بھی ریلوں کی وجہ سے لاکھوں آدمیوں کے لئے کام نکل آیا۔ ریلوں کے جاری ہونے سے گڈے تانگے والوں کو نقصان ضرور پہنچا۔ مگر ریلیں چلانے کے لئے آدمی چاہئیں۔ پھر ریلوں کی وجہ سے تجارت ترقی کرتی ہے۔ اَور اس طرح نیا کام پیدا ہو جاتا ہے +

فرض کرو۔ اُردو کا ٹائپ بن جائے۔ کاتبوں کی روزی ماری جائے گی۔ مگر ٹائپ بنانے بیچنے کے کام

ہیں بے کار کاتب لگائے جا سکتے ہیں۔ پھر چھاپے خانوں میں ان کے لئے جگہ نکلے گی۔ چھاپنے کی کلوں کی وجہ سے بے کاری بڑھی نہیں گھٹی ہے۔ پہلے قلمی نسخے ہوتے تھے۔ امیر لوگ ہی قلمی نسخے خرید سکتے تھے۔ چھاپے کی وجہ سے پڑھائی عام ہو گئی۔ اور لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے لئے روزی پیدا ہو گئی +

یہ بھی یاد رہے۔ کہ جب کوئی نئی کل بنتی ہے تو ایک دفعہ ہی تمام ملک میں نہیں چلنے لگتی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ اس عرصے میں بے کاروں کے لئے کام نکل آتا ہے۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ عمر رسیدہ مزدور جو نئے کام آسانی سے نہیں سیکھ سکتے۔ یا ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ نوکری کی تلاش میں نہیں جا سکتے۔ روزی کھو بیٹھتے ہیں +

ہمارے ملک میں عام خیال ہے۔ کہ کلوں کے استعمال سے فائدہ کم ہے۔ اور نقصان زیادہ۔ خیال غلط اور بے بنیاد ہے۔ اگر کہو۔ کہ کلوں کے استعمال سے اتنی با افراط اشیاء تیار ہو جاتی ہیں۔ کہ گاہک نہیں ملتے۔ تو قصور کلوں کا نہیں ہے۔ اقتصادی نظام کا ہے۔ با ترتیب نظام میں کلوں کا بھوت قابو میں رہتا ہے +

صنعتی شہروں میں ملوں کا دھواں ہوا کو گندا کرتا ہے۔ مگر کوشش کی جا رہی ہے۔ کہ دھواں باہر نہ نکلا

کرے۔ اندر ہی بھسم ہو جایا کرے۔ مزدوروں کی رہائش کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہوتا۔ مگر قصور کس کا ہے۔ کلوں کا یا حکومت اور کارخانہ داروں کا۔ صنعتی شہروں کو خوبصورت بنانا اور مزدوروں کے رہنے سہنے کا جیسا چاہیئے بندوبست کرنا ناممکن نہیں ÷

موجودہ زمانے میں کلوں کے بغیر گذارہ ناممکن ہے۔ کلوں سے وہ کام نکلتے ہیں۔ جو ہاتھوں سے ہو ہی نہیں سکتے۔ ہوائی جہاز کلوں کے زور سے ہوا میں اڑتے ہیں۔ آب دوز کشتیاں پانی کے نیچے نیچے سفر کرتی ہیں۔ بھاری سے بھاری بوجھ کلیں اٹھا لیتی ہیں ÷

کلوں کی پھرتی کا انگلیاں مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ ہاتھ کے چرخے اور کلوں کے چرخے کا کیا مقابلہ ؟

کلیں بالکل ایک سی ہی ہزاروں لاکھوں چیزیں بنا دینگی۔ ہاتھ کے کام میں فرق رہ ہی جاتا ہے۔ بائیسکل میں بیسیوں پیچ پرزے لگے ہوتے ہیں۔ ایک ٹوٹ جائے۔ دوسرا لگا لو۔ ٹھیک بیٹھے گا۔ کیونکہ کلوں کا بنا ہؤا ہے ÷

جس طرح دستکاروں میں کام بانٹا جاتا ہے۔ اسی طرح کلوں میں بھی بانٹا جاتا ہے۔ مثلاً جوتا بنانا ہے۔ اگر چمار سارا جوتا خود ہی بنائے تو دیر لگے گی۔ اگر ایک چمار تلا تیار کرے۔ دوسرا اوپر کا حصہ۔ تیسرا سینے

کا کام سنبھالے۔ چوتھا کیلیں ٹھوکنے کا۔ تو کام بٹ جانے کی وجہ سے سہولیت اور پھرتی سے ہوگا۔ بڑے بڑے کارخانوں میں بڑے پیمانے پر کام ہوتا ہے۔ اور خاص کاموں کے لئے خاص کلیں استعمال ہوتی ہیں۔ کام کی تقسیم در تقسیم ہوتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ کلوں کی بھی۔ پیداوار بڑھ جاتی ہے۔ اور لاگت گھٹ جاتی ہے +

اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ کارخانوں کے مزدور کلیں چلاتے چلاتے خود بھی کل کی مانند ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ کہ ان کی عقل پر زور نہیں پڑتا۔ جو شخص عمر بھر فقط ایک پیچ گھمایا کرے پیچ گھمانے کے کام کا ہی رہ جائے گا۔ اس کا علاج یہ ہے۔ کہ کارخانوں میں کام کے گھنٹے زیادہ نہ ہوں مزدوروں کو پڑھانے کا بندوبست کیا جائے۔ اور ان کی تفریح طبع کے لئے سامان مہیّا کیا جائے +

آج کل ملک کی اقتصادی باگ ڈور ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ سوراج ملنے پر ہندوستان کے اقتصادی نظام کی بنیاد کلوں پر قائم کی جائے گی یا دستکاری پر ؟

ہم اس وقت کچھ ہی کیوں نہ کہیں۔ کلوں کے بغیر گذارا نہ ہو سکے گا۔ اوّل ملک کی حفاظت کے لئے کلوں سے سامان حرب تیار کرنا پڑیگا۔ آج کل

کی لڑائی لاٹھی تلوار کی لڑائی نہیں۔کلوں کی جنگ ہے۔ دشمن کے ہوائی جہازوں۔ آب دوز کشتیوں۔ کلدار توپوں کا جواب لاٹھی یا تلوار نہیں دے سکتی۔سامان حرب تیار کرنے کے لئے گولہ باروت کے۔ لوہے فولاد کے۔ موٹر لاری کے۔ اور ہزار اور طرح کے کارخانے بنانے پڑینگے ٭

جنگ کو جانے دو۔ اگر کلوں سے کاغذ نہ بنائیں۔ اور اخبار کتابیں نہ چھاپیں۔ تو لاعلمی بڑھے گی۔ یہ بھی کیونکر ممکن ہے۔ کہ معدنیات کانوں میں سے نکالنے کے لئے کلوں کو نہ برتیں۔ نہ یہ ہی سمجھ میں آتا ہے۔ کہ ریلوں لاریوں کا استعمال ترک کیا جائے ٭

سوال لے دے کر چرخے کھڈی کا رہ جاتا ہے۔ دستکاروں میں سب سے بڑی جماعت جلاہوں کی ہے۔ انہیں کیونکر بچایا جائے ٭

بچانے کا آسان طریقہ یہ ہے۔ کہ کپڑے کی درآمد بند کی جائے۔ اور اپنی ملوں میں ہم تالے لگا دیں۔ اگر جلاہوں کا کلوں سے مقابلہ جاری رہا۔ تو جلاہوں کو رفتہ رفتہ پسپا ہونا پڑے گا۔ مقابلہ نہ رہے۔ تو جلاہوں کی جیت ہے ٭

اس آسان حل پر کبھی عمل نہ ہوگا۔ اگر ہوا۔ تو کپڑے کی قیمت زیادہ ادا کرنی ہوگی۔ اور فی کس کپڑا

حصّے میں بھی کم آئیگا +

صحیح علاج جلاہوں کے لئے اور کام پیدا کرتا ہے۔ باترتیب نظام میں بے کاری کو دُور کرکے ہر ایک کو کام پر لگانا مشکل نہیں +

فصل ۶

بڑے پیمانے پر کام کے فائدے

صنعتی انقلاب پہلے پہل برطانیہ میں ۱۷۶۰ء کے بعد شروع ہؤا - اور برطانیہ کی صنعت کی کایا پلٹ گئی - کلوں کا استعمال شروع ہونے ہی بڑے پیمانے پر کام کرنے کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہوئی - کلیں مہنگی ہوتی ہیں۔ پھر کارخانے بنانے پڑتے ہیں۔ چرخہ تین چار روپے کا بن جاتا ہے۔ اور جس جگہ چاہو رکھ کر چلا لو۔ مگر کلوں سے سُوت کاتنا ہے۔ تو ہزاروں روپوں کی کلیں خریدو - اور ہزاروں روپے کا کارخانہ تعمیر کرو۔ مزدور ملازم رکھو۔ ٹنوں کپاس مول لو۔ سُوت کاتنے کا کارخانہ شاید ۷۰ – ۸۰ ہزار روپے میں بن کر کھڑا

ہو جائے۔ مگر لوہے اور فولاد کے کارخانے کے لئے لاکھوں روپے درکار ہیں۔ جمشید پور کی ٹاٹا کمپنی کا سرمایہ ½۱۰ کروڑ روپے کا ہے۔ ریل کے انجن اور گاڑیاں بنانے کے لئے بھی کروڑوں کا سرمایہ چاہیئے۔ ظاہر ہے۔ کہ کسی ایک شخص کے لئے ایک ہی کام کے واسطے لاکھوں کروڑوں روپے فراہم کرنا مشکل ہے۔ اِس لئے جہاں بھی کلوں سے کام لیا جائے گا۔ مشترکہ سرمایہ سے کمپنیاں بنیں گی۔ سرمایہ کو حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ حصّے کی قیمت جو چاہے رکھ لو۔ ۵ روپے ۱۰ روپے یا ۵۰ یا ۱۰۰ روپے۔ غریب آدمی بھی پانچ روپے صرف کرکے کمپنی کا حصّہ خرید سکتے ہیں۔ اگر کمپنی ٹوٹ جائے اور مقروض ہو۔ تو قرضخواہ حصّہ داروں سے حصّہ کی کُل رقم ہی وصول کر سکتے ہیں۔ زیادہ نہیں۔ یعنی حصّہ دار کا حصّہ گیا۔ اور کچھ دینا لینا نہیں رہا۔ اگر کارخانے کا مالک ایک ہے یا ۶ سے کم۔ تو قرضے کی وصُولی میں اُن کی کُل جائداد قرق ہو سکتی ہے :-

بڑے پیمانے پر کام کرنے کے فائدے مندرجہ ذیل ہیں :-

کام اور کلوں کی تقسیم در تقسیم سے کام سہولیت اور پھُرتی سے ہوتا ہے اور پیدا وار فی مزدور بالکل بڑھ جاتی ہے۔ اور لاگت گھٹ جاتی ہے۔ کچا مال

چونکہ زیادہ مقدار میں خریدا جاتا ہے۔ قدرے سستا مل جاتا ہے۔ اسی طرح مال باہر بھیجنے میں کفایت ہوتی ہے۔ بڑے پیمانے پر کام کرنے والا مال بیچنے کی خاطر اشتہار بازی پر بھی دل کھول کر خرچ کر سکتا ہے۔ اور بچے کھچے مال یا مصالحہ کو پھینکنا نہیں پڑتا۔ مثلاً جلّو کے تارپین کے کارخانے میں بچے کھچے مصالحہ سے لاکھ۔ بوٹ روغن اور اور اشیاء بنائی جاتی ہیں +

فرض کرو۔ ایک صنعت ترقی کر رہی ہے ۔ جیسے ہندوستان کی کپڑے کی صنعت ۔ ۱۹۱۳-۱۴ء میں ۱۱۶ کروڑ گز کپڑا ہماری ملوں میں بنتا تھا۔ آج کل ۴۰۰ کروڑ گز کپڑا سالانہ بنتا ہے۔ صنعت کے ترقی کرنے سے نئے کارخانے کھلیں گے۔ اور پرانے کارخانے بڑے پیمانے پر کام کرنے لگیں گے۔ نئے اور پرانے کارخانوں میں فرق ہوگا۔ نئے کارخانے ہر طرح کا کپڑا نہیں بنائینگے۔ کوئی کوٹوں کا کپڑا۔ کوئی کرتوں کا۔ کوئی دھوتیاں۔ کوئی چادریں ۔ اس طرح کام بٹ جائے گا۔ اور کام کے بٹ جانے سے فائدہ حاصل ہوگا +

دوم سوت بڑے پیمانے پر کتنا شروع ہوگا ۔ اور سستا ملنے لگیگا۔ جوتوں کی صنعت ترقی کرے۔ تو رنگا ہوا چمڑا عمدہ اور سستا ہو جائیگا ۔ یہ وہ فائدہ ہے۔ جس میں ہر کارخانہ خواہ چھوٹا ہو۔ خواہ بڑا۔ شریک ہوگا

مگر بڑے پیمانے پر کام کرنے کے فائدے جو ہم نے اُوپر بتائے ایک ہی کارخانے کو جو بڑے پیمانے پر کام کرنے لگے حاصل ہوتے ہیں +

یہ خیال نہ کرنا چاہیئے - کہ چونکہ بڑے پیمانے پر کام کرنے سے لاگت گھٹ جاتی ہے - بڑے کارخانوں کے مقابلے میں چھوٹے کارخانے ضرور سب کے سب تباہ ہو جائینگے - چھوٹے کارخانہ دار زیادہ توجہ سے کام کرتے ہیں - اَور گاہکوں سے ذاتی تعلقات پَیدا کر لیتے ہیں - یورپ میں بڑی بڑی دُکانیں ہیں - ایک ایک بڑی دکان میں ایک وقت میں پانچ چھ ہزار گاہک خریداری کرتے ہیں - اَور سُوئی دھاگے سے لے کر بڑھیا قالین تک فروخت ہوتے ہیں - مگر ان بڑی دکانوں کا چھوٹی دکانیں مقابلہ کرتی ہیں - برلن میں ۱۹۲۷ء میں ایک یہودی کی بڑی بھاری دکان تھی - نام ورٹ ہائیم - اس کا دعوےٰ تھا - کہ اگر دکان کے ایک دروازے سے بھُوکا ننگا آدمی داخل ہو - تو دوسرے دروازے سے کھا پی کر اچھی پوشاک پہن کر اور سامان ضرورت ساتھ لے کر باہر جائیگا - بشرطیکہ بٹوا ساتھ لایا ہو - مگر اس بازار میں ورٹ ہائیم کی ایک جنگی دکان تھی - اَور سینکڑوں اور دُکانیں - ورٹ ہائیم چھوٹی دکانوں کو ہڑپ نہ کر سکا +

ایک اور بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہے۔ ایک حد تک کام کا پیمانہ بڑھانے سے لاگت گھٹتی جاتی ہے۔ اس حد سے گذر جاؤگے۔ تو لاگت بڑھنے لگیگی۔ مثلاً جُوتے بنانے کا کارخانہ ہے۔ اور تم کلیں اور لگا کر مزدور اور ملازم رکھ کر کارخانہ بڑھا رہے ہو۔ ایک حد تک فی جوڑی جُوتا لاگت گھٹے گی۔ مگر ممکن ہے۔ کام اِتنا بڑھ جائے۔ کہ سبنھالے نہ سنبھلے۔ فرض کرو۔ بازار میں جوڑی جُوتے کی قیمت ۶ روپے ہے۔ جب تک تمہاری لاگت مع واجب منافع جو تمہاری محنت کا صِلہ ہے ۶ روپے سے کم ہے۔ کارخانہ بڑھتا رہیگا۔ مگر جہان لاگت ۶ روپے فی جوڑی جُوتا ہوئی۔ تم حد پر پہنچ گئے۔ اس حد سے آگے بڑھو گے۔ تو گھاٹے میں رہو گے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ تُم اور جُوتے نہ بناؤ۔ ضرور بناؤ۔ مگر دُوسرا کارخانہ کھول کر۔

لاہور کے کسی کالج میں دو ہزار طلبا نہیں پڑھتے۔ فرض کرو۔ کوئی کالج ہر دلعزیز ہے۔ اور طلباء کی تعداد دو ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ کالج کا انتظام کرنا مشکل ہو جائیگا۔ ہر وقت شور رہا کریگا۔ اور پڑھائی خاطر خواہ نہ ہو سکے گی۔ منتظم کالج کی شاخ کھول دینگے۔ یعنی ایک کالج کے دو بن گئے۔

فصل ۷

کارخانوں کے جتھے

مزدوروں کے یونین کس نے نہیں سنے۔ یونین کے معنی ہیں جتھا۔ مزدوروں کی جتھہ بندی کئی طرح کی ہے۔ اوّل یہ کہ ایک ہی صنعت کے مزدور جتھہ بنائیں۔ جیسے ریلوے یونین۔ یا کپڑے کے کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کا یونین۔ ملاّحوں کا یونین۔ اس جتھہ بندی میں قسم قسم کے مزدور شامل ہوئے۔ مثلاً بڑھئی۔ لوہار۔ مستری۔ کلرک جو ایک ریلوے کے ملازم ہیں ایک ہی جتھے میں شامل ہیں۔ ایک اور جتھہ بندی کا طریقہ یہ ہے۔ کہ لوہار خواہ کسی صنعت میں بھی کیوں نہ کام کرتے ہوں الگ لوہاروں کا جتھہ بنائیں۔

کارخانوں کے بھی یونین بنتے ہیں۔ یعنی کارخانے مل جاتے ہیں۔ کھانڈ سازی کے کارخانے مل جائیں۔ تو کھانڈ سازی کا جتھہ بن گیا۔ سیمنٹ کے کارخانے مل کر اپنا الگ جتھا بنا لیں۔ ان دونوں صنعتوں کے

جتھے ہندوستان میں حقیقت میں بنے ہوئے ہیں۔ اگر کارخانے اس طرح ملے ہیں۔ کہ مل کر ایک بڑا کارخانہ بن گیا۔ یعنی جُدا جُدا کارخانوں کی ہستی جاتی رہی۔ تو ایسا میل ٹرسٹ کہلاتا ہے۔ کھانڈ سازی یا سیمنٹ کا ٹرسٹ نہیں بنا۔ میل کی شکل کارٹل کی ہے۔ کارٹل اَیسے میل کو کہتے ہیں۔ کہ کارخانے جُدا جُدا اپنی ہستی قائم رکھتے ہیں۔ مگر آپس میں منڈیاں بانٹ لی جاتی ہیں۔ یا قیمت کے بارے میں سمجھوتہ ہو جاتاہے کہ کوئی کارخانہ مقررہ قیمت سے کم پر مال نہ بیچے۔ یا پَیدا وار کی آپس میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ کُل پیداوار مقرر کی جاتی ہے۔ اَور فیصلہ ہو جاتا ہے۔ کہ کارخانے جُدا جُدا مقرر شدہ فی صدی حصّہ پَیدا کریں۔ زیادہ نہیں۔ یا جو مال جُدا جُدا بنا ہے۔ مشترکہ طور پر فروخت ہوتا ہے۔ اَور منافع مال کی مقدار کے حساب سے بانٹ لیا جاتا ہے +

میل ایک ہی چیز بنانے کے کارخانوں میں نہیں ہوتا۔ فرض کرو۔ ایک سُوت کاتنے والا اَور ایک کپڑا بُننے والا کارخانہ ملا کر نیا کارخانہ بنے۔ دونوں کارخانے کپڑے کی صنعت سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر ایک نیچے درجے کا تھا۔ اَور دوسرا اُونچے درجے کا۔ نیچے اَور اُونچے درجے کا میل ہو گیا۔ اسی طرح بعض فولاد

بنانے والے کارخانے خود کوئلہ اور کچا لوہا کانوں میں سے نکالتے ہیں۔ اور فولاد بناتے ہیں +

ٹرسٹ اور کارٹل کیوں بنائے جاتے ہیں؟

پہلے پہلے دورانِ جنگ میں ہندوستان میں سیمنٹ بننا شروع ہؤا۔ جنگ کے بعد اور کمپنیاں کھڑی ہو گئیں۔ اور ان میں جنگ شروع ہوئی۔ جب کارخانہ داروں میں جنگ شروع ہو جائے۔ گاہکوں کی موج ہوتی ہے۔ سیمنٹ کی قیمت ایک دفعہ لاگت سے بھی کم ہو گئی۔ کارخانہ داروں کو گھاٹا رہنے لگے تو خیال آتا ہے۔ کہ مل جاؤ۔ اس طرح ٹرسٹ اور کارٹل بنتے ہیں +

مگر یہ بھی بھولنا نہ چاہیئے۔ کہ مل جانے سے کام کرنے کا پیمانہ بڑا ہو جاتا ہے۔ اور لاگت گھٹ جاتی ہے۔ اگر کارٹل بنا ہے۔ تو وہ کارخانے جن کی کلیں پُرانی ہیں بند کر دئے جاتے ہیں۔ نئی کلوں سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ اشتہار بازی کی لڑائی ختم ہو جاتی ہے۔ اور منافع کی صُورت پیدا ہو جاتی ہے +

مگر جہاں ٹرسٹ اور کارٹل بنے عام طور پر قیمت بڑھ جاتی ہے۔ جو تا گاہک کے سر پڑتا ہے۔ اگر حکومت مداخلت نہ کرے۔ تو کارخانہ دار مل کر اجارہ قائم

کر لیں۔ اور بُری طرح گاہکوں کو لوٹیں۔

اِجارے کی شکلیں

اجارہ بذاتِ خود بُری شے نہیں۔ یہی نہیں۔ بعض صورتوں میں ملک و قوم کا فائدہ اسی میں ہے۔ کہ مقابلہ نہ ہو۔

مثلاً محکمہ تار۔ ٹیلی فون۔ ڈاک کا اجارہ حکومت کے پاس ہے۔ حکومت یہ اجارے اپنے پاس نہ رکھے۔ کمپنیوں کو دے دے۔ مگر ان خدمات کی شکل اجارے کی رہے گی۔ فرض کرو۔ ڈاک کا کام ایک نہیں۔ دس کمپنیوں نے سنبھالا۔ دس کمپنیوں کے ہرکارے ایک ہی محلّے میں ڈاک بانٹنے آئینگے۔ اِس سے فائدہ؟ مقابلے کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح سیالکوٹ اور جمّوں کے درمیان چار کمپنیوں کی الگ الگ ریلیں چلا کریں۔ تو چاروں کمپنیاں نقصان اٹھا کر بیٹھ جائیں گی۔ کسی کے پاس بھی اِتنا کام نہیں رہے گا۔ کہ خرچ نکل آئے۔ منافع کا تو ذکر ہی کیا؟

لاہور میں بجلی کی ایک ہی کمپنی ہے۔ مطلق ضرورت نہیں۔ کہ دو چار بجلی کی کمپنیاں لاہور کے لئے الگ الگ بجلی گھروں میں بجلی پیدا کریں۔ اور محلوں اور سڑکوں کے اُوپر الگ الگ اپنے تار لگائیں۔ ایک کمپنی

بڑے پیمانے پر سستی بجلی پیدا کر سکتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی کمپنیوں کی لاگت زیادہ ہوگی۔ کمپنیوں کو بھی گھاٹا رہیگا۔ اور گاہکوں کو زیادہ قیمت ادا کرنی ہوگی +

ان اجاروں کو ملک و قوم کے فائدے کی خاطر پسند کرنا پڑے گا۔ شہروں میں پانی بہم پہنچانے کا کام میونسپل کمیٹیاں کرتی ہیں۔ کمپنیوں پر نگرانی حکومت کی ہوتی ہے +

اجارے کی دوسری شکل ہے تجارتی مارکے۔ مصنّف کا حق تالیف۔ حق پیٹنٹ۔ اگر تم نے نئی کل ایجاد کرکے اس کا پیٹنٹ لے لیا ہے۔ تو کوئی اور وہی کل نہیں بنا سکتا۔ میری لکھی ہوئی کتاب کوئی اور نہیں چھاپ سکتا۔ قینچی مارکے کے سگرٹ مشہور ہیں۔ سگرٹ جس کا جی چاہے بنائے۔ مگر قینچی کے نام سے نہیں بیچ سکتا +

قدرتی اجارے اس طرح پیدا ہوتے ہیں کہ ایک ہی جگہ ایک چیز پیدا ہوتی ہے۔ جیسے بنگال میں سن۔ جنوبی افریقہ میں ہیرے +

چوتھی قسم کے اجارے کارخانہ دار آپس میں مل کر قائم کرتے ہیں۔ جیسے کھانڈ ساز اپنا جتھا بنا لیں۔ کوئی نیا کارخانہ بنے۔ تو اسے خرید لیں۔ یا قیمت گرا کر اسے برباد کریں۔ ایکے سے قیمت مقرر کریں۔ پیدا وار کو قابو میں رکھیں۔ اجارہ قائم ہونے کے لئے یہ ضروری

نہیں۔ کہ سو فی صدی پیدا وار اجارے کے اختیار میں ہو۔ اگر ستّر اسّی فی صدی کھانڈ بھی ٹرسٹ یا کارٹل پیدا کرتا ہے۔ تو یہی قیمت مقرر کرے گا ؛

یورپ میں کارٹل اور امریکہ میں ٹرسٹ روز بروز زور پکڑ رہے ہیں۔ کارٹل قومی ہی نہیں۔ بین الاقوامی بھی ہیں۔ ان میں سب سے مشہور یورپ کا فولاد کا کارٹل ہے ؛

فصل ۸

لاگت گھٹنے بڑھنے کا قانون

فرض کرو۔ ہندوستان کا غیر ملکوں سے درآمد برآمد کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ نہ ہم کوئی مال باہر بھیجتے ہیں۔ نہ باہر سے منگاتے ہیں۔ اور ہماری آبادی ایک فی صدی فی سال کے حساب سے بڑھ رہی ہے۔ یعنی ستّر سال کے بعد دُگنی ہو جاتی ہے۔ آبادی کے بڑھنے کا اناج اور پکی اشیاء کی قیمت پر کیا اثر ہوگا ؟

آبادی کے بڑھنے سے اناج کی ضرورت بڑھ جائیگی۔ کوشش کی جائے گی۔ کہ اناج زیادہ پیدا ہو۔ جو زمینیں کاشت کے قابل ہیں۔ مگر بے کار پڑی ہیں۔ کاشت کی جائیں گی۔ باقی زمینوں پر کھاد کی مدد سے فی ایکڑ زیادہ فصل پیدا کی جائے گی۔ مگر لازماً اناج مہنگا ہو جائے گا۔ کیوں؟

زراعت لاگت بڑھنے والے قانون کی تابع ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ زراعت میں لگا ہوا سرمایہ اگر دو چند کر دیا جائے۔ تو فصل دو چند نہیں ہو جاتی۔ فی روپیہ پیدا وار گھٹتی جائے گی۔ یا فی من یا سیر اناج کی قیمت بڑھتی جائے گی +

یہ ممکن ہے۔ کہ شروع میں لاگت فی من نہ بڑھے۔ بلکہ کیمیائی کھاد کی بدولت گھٹ بھی جائے۔ مگر کب تک؟

یہ ناممکن ہے۔ کہ مزدور اور سرمایہ کو دوگنا چوگنا کرکے زراعتی پیدا وار دُگنی چوگنی کی جائے۔ وجہ زمین کی قِلّت ہے۔ سرمایہ اور مزدور اور لگا لو۔ مگر زمین اور کہاں سے لاؤگے۔ زمین اور پیدا نہیں کی جاسکتی۔ زمین کی کمی سرمایہ اور مزدور پوری نہیں کر سکتے۔ اگر پوری کر سکتے۔ تو ایک مربع زمین تمام تحصیل اور ضلع اور ملک کی خوراک کے لیئے کافی ہوتی +

زمین - سرمایہ - مزدور اور ترتیب مل کر ملک کی دولت پیدا کرتے ہیں - جہاں اس میں سے ایک کی بھی کمی ہوگی - باقی تین کو دو چند کرنے سے پیداوار دو چند نہ ہوگی +

ایک آسان مثال لو - کھیر بنانی ہے - کھیر کے لئے دودھ کھانڈ - چاول چاہئیں - فرض کرو - چاولوں کی مقدار دگنی کر دی - کھانڈ بھی برابر کی ڈال دی - مگر دودھ جتنا پہلے تھا - اتنا ہی رہا - کھیر نہیں بنے گی - چاولوں کا دلیا بن جائے گا +

پکّی اشیاء بھی زمین سرمایہ مزدور اور ترتیب مل کر ہی تیار کرتے ہیں - زمین سے مراد ہے کچی اشیاء جو کھیتوں میں اگتی ہیں - مثلاً کپاس - یا جو جانوروں سے حاصل ہوتی ہیں - مثلاً کھالیں - اون - یا جو زمین میں سے کھود کر نکالی جاتی ہیں - مثلاً معدنیات - گھڑیوں کے کارخانے کو اگر فولاد نہیں ملے یا خراب ملے - تو سرمایہ مزدور اور ترتیب کے سو فی صدی بڑھانے سے دو چند عمدہ گھڑیاں تیار نہیں ہو سکیں گی - مگر صنعت اور زراعت میں ایک بڑا فرق ہے - صنعتی اشیاء کی قیمت میں (مثلاً گھڑی) کچے مال کا جزو مقابلتاً کم ہوتا ہے - اور مزدوری اور سرمایہ کا زیادہ - گھڑی میں سیر دو سیر لوہا تو نہیں لگا ہوتا - پس بڑے پیمانے پر کام کرنے کے

لئے ہر چیز جتنی چاہیئے مہیّا ہو جاتی ہے۔ بڑے پیمانے پر کام کرنے کے فوائد ظاہر ہونے ہیں۔ اور فی گھڑی لاگت گھٹ جاتی ہے +

آج سے پندرہ سال پہلے عمدہ بائیسکل ۱۵۰ روپے میں ملتی تھی۔ اب سَو روپے میں لے لو۔ اگر اور بھی بڑے پیمانے پر بائیسکلیں بننے لگیں۔ تو قیمت اور بھی کم ہو جائے +

صنعت عام طور پر پیدا وار بڑھنے اور لاگت گھٹنے کے قانون کی تابع ہے +

ہاں ایک دو مثالیں ایسی بھی ہیں کہ صنعت کے بڑھنے پر لاگت نہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے۔ سگار کارخانوں میں تیار ہوتے ہیں۔ سرمایہ بڑھانے سے لاگت فی سگار گھٹنی چاہیئے۔ مگر سگار کا تمباکو کھیتوں میں اُگتا ہے۔ اور زراعت پیدا وار گھٹنے یا لاگت بڑھنے کے قانون کے ماتحت ہے۔ ایک قانون کا عمل دوسرے قانون کے عمل کو زائل کر دیتا ہے۔ کمبلوں کی صنعت کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے۔ کمبلوں کی قیمت میں اُون کا حصّہ زیادہ ہے۔ اور سرمایہ اور مزدوری کا مقابلتاً کم +

باب سوم

فصل ۹

دَولت کی ادل بدل

شام کا وقت ہے۔ مگر ابھی بتّیاں نہیں جلی ہیں۔ آؤ چلو انارکلی کی سَیر کریں۔ کیسی رونق ہے۔ دُکانیں کھُلی ہیں۔ اَور خرید و فروخت ہو رہی ہے۔ بھیڑ اتنی ہے۔ کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ چوک میں سے تو گذرنا مشکل ہے۔ موٹر۔ لاری۔ ٹانگے۔ گڈوں کا تانتا بندھا ہُوا ہے۔ موٹروں میں لوگ سَیر کرتے پھرتے ہیں۔ لاریوں میں مسافر سوار ہیں۔ یہ لاریاں دُور دُور جائیں گی۔ مرد عورتیں اَور بچے ٹانگوں میں خریداری کے لئے آئے ہیں۔ کچھ ریل کی بھی سواریاں ہیں۔ گڈوں میں مال جا رہا ہے۔ فقیر صدائیں لگا رہے ہیں۔ چور اُچکے گٹھ کُترے بھی شکار کی تلاش میں پھر رہے ہیں۔ مگر ہمیں نظر نہیں آتے ۔

پھرتے پھرتے تھک گئے۔ آؤ ذرا آرام کر لیں۔ بھوک بھی لگی ہوئی ہے۔ ہم حلوائی کی دکان کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اور حلوا پوری مٹھائی کھانے لگے۔ حلوائی گرم گرم پوریاں کڑھائی میں سے نکالتا ہے۔ اور اس کا ایک ملازم ہمیں دیتا جاتا ہے +

اس سرگرمی کے معنی کیا ہیں ؟

ہم نے انارکلی میں دولت کی ادل بدل دیکھی۔ اس ادل بدل کی کئی شکلیں ہیں +

تم نے دو پیسے کا لڈو لیا۔ دو پیسے تم نے محنت سے کمائے تھے۔ لڈو خرید کر تم نے محنت کو کھانے کی چیز میں بدلا +

کتب فروش کتابیں بیچتا ہے۔ اُسے کتابوں کی قیمت روپوں کی شکل میں ملتی ہے۔ روپوں سے وہ اشیائے ضرورت خریدتا ہے۔ اس نے گویا کتابوں کو آٹے دال گھی میں بدلا +

چیزوں کی خریداری دولت کی ادل بدل ہے +

ٹانگے کا کرایہ فی گھنٹہ آٹھ آنے مقرر ہے۔ موٹر لاری میں بیٹھ گئے۔ تو بھی کرایہ دینا ہوگا۔ سٹیشن پر قلی لو گے۔ تو اجرت دینی پڑیگی۔ حلوائی اپنے ملازموں کو ماہوار تنخواہ دیتا ہے۔ یہ مثالیں بھی دولت کی ادل بدل کی ہیں۔ ہم بتا چکے ہیں۔ کہ خدمات بھی دولت

ہیں شامل ہیں۔ تانگے والے نے تمہاری خدمت کی۔ خدمت کئے بدلے میں اُسے آٹھ آنے ملے۔ جن سے وہ اشیائے ضرورت خریدیگا۔ اس نے گویا خدمت کو اشیاء میں بدل لیا۔ میں کالج میں پڑھاتا ہوں۔ خدمات بیچ کر پیٹ پالتا ہوں۔ تم شاید کھیتی کرتے ہو۔ کپاس۔ گڑ۔ گندم بیچ کر آمدنی پیدا کرتے ہو۔ مجھ میں اور تم میں اصلا فرق نہیں۔ دونوں ملک و قوم کی خدمات بجا لاتے ہیں۔ اور اس کے عوض میں دولت حاصل کرتے ہیں۔ جس سے پیٹ بھرے اور آرام و آسائش سے زندگی بسر ہو +

فقیر بھیک مانگتے ہیں۔ بھیک کا شمار دولت کی ادل بدل میں نہیں۔ نہ اس دولت کا جو چور چوری کرکے حاصل کرے +

جہاں بھی دولت کی ادل بدل ہوگی۔ کسی نہ کسی شرح کے مطابق ہوگی۔ یہ شرح قیمت ظاہر کرتی ہے۔ مثلاً گندم دو روپے آٹھ آنے من۔ گڑ ۵ روپے من۔ ایک من گڑ دو من گندم کے برابر ہوا۔ اگر زمیندار نے سو من گندم پیدا کی ہے۔ تو گندم کے عوض میں اسے نقد ۲۵۰ روپے ملیں گے۔ یہ رقم قوت خرید رکھتی ہے۔ زمیندار اس قیمت کا کپڑا لتا۔ برتن بھانڈے زیور جو جی چاہے۔ خرید لے۔ مزدوری کی شرح ادل بدل

کی شرح ہے۔ فرض کرو۔ مزدور سٹیشن سے اسباب تمہارے گھر اٹھا کر لایا۔ اور اُجرت ۵ر ٹھیری تھی۔ مزدور نے اپنی محنت کو ۵ر میں یا ان اشیاء یا خدمات میں جو ۵ر میں حاصل ہو سکتی ہیں بدل لیا۔ ۵ر کما کر مزدور سینما میں جا بیٹھے۔ اس صورت میں اس کی محنت یا خدمت سینما کرنے والوں کی خدمت یا محنت میں بدل گئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ شرح ادل بدل کون مقرر کرتا ہے۔ یا کیونکر مقرر ہوتی ہے۔ گندم کی قیمت دو روپے آٹھ آنے کیوں ہے۔ اور گڑ کی پانچ روپے من کیوں۔ آم ۴ر سیر اور لیچی ۱۲ر سیر۔ مزدور جو ٹوکریاں ڈھوتے ہیں۔ ۸ر مزدوری پاتے ہیں۔ اور مستری ایک روپیہ آٹھ آنے یا دو روپیہ روز تک۔ فرق کیوں ہے؟ یورپ اور امریکہ میں سینما کے ایکٹر لاکھ لاکھ روپیہ ماہوار کماتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی اچھے ایکٹروں کو ۱۵۰۰۔ دو ہزار روپے ماہوار تنخواہ مل جاتی ہے۔ مگر کارخانے کے مزدوروں کو ۳۰۔۔ ۴۰ روپے۔ اچھا گانے والا گھنٹہ بھر گانے کے سو روپے لے لیتا ہے۔ اور لوگ خوشی سے دیتے ہیں۔ خوشامد سے اُسے بُلاتے ہیں۔ اور ناز و نخرے سہتے ہیں۔ میں دس روپے میں دو گھنٹے گانے کو تیار ہوں۔ کوئی نہیں پوچھتا۔ کیا وجہ ہے؟

اور سوال لو۔ سود بھی قیمت ہے۔ جو قرض لینے والے

کو ادا کرنی ہوتی ہے۔ مگر دیہات میں شرح سُود ۱۸ فی صدی اور اس سے بھی زیادہ۔ اَور شہروں میں ۸ - ۹ فی صدی یا اس سے بھی کم +

پھر شرح ادل بدل ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی۔ ہزاروں مثالیں تم خود دے سکتے ہو۔ آج گندم کا بھاؤ دو روپے آٹھ آنے من ہے۔ اَور کل دو روپے چھ آنے اَور پرسوں دو روپے بارہ آنے۔ ایک وہ بھی زمانہ تھا۔ کہ سال میں گندم کی اوسط قیمت تقریباً ساڑھے چار روپے من تھی۔ کپاس اوسطاً دس بارہ روپے من بک چکی ہے۔ وُہی کپاس اب ۴½ - ۵ روپے من مِلتی ہے۔ یا پڑھے لکھوں کی اُجرت کو دیکھو۔ آج سے ۳۰ سال پہلے بی۔اے پاس کو آسانی سے ساٹھ ستّر روپے کی نوکری مل جاتی تھی۔ اب سینکڑوں بی۔اے اَور ایم۔اے جُوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔ کوئی ٹکے کو نہیں پُوچھتا۔ نوکری مِلتی بھی ہے تو ۳۰ روپے ماہوار۔ بہت قِسمت نے زور مارا۔ تو ۳۵ - ۴۰ روپے۔ زیادہ نہیں +

دَولت کی ادل بدل کا معمہ نہایت دِلچسپ اور اہم ہے اگر ہم کہیں۔ کہ علمِ دَولت فقط اِسی ایک سوال کا جواب ہے۔ تو غلط نہ ہوگا۔ علم دَولت جو یہ نہ بتا سکے کہ دولت کی ادل بدل کی شرح کیونکر مقرر ہوتی ہے۔ اور کیونکر گھٹتی بڑھتی ہے۔ ناکارہ ہے +

دَولت کی ادل بدل بغیر زر

زر سے مُراد ہے روپیہ پیسہ۔ دَولت کی ادل بدل زر کی مدد سے ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ ہر خدمت ہر شے کی بازار میں قیمت ہے۔ اس قیمت کے حساب سے ایک چیز لو۔ اَور دوسری دو۔ دَولت کی ادل بدل ہو گئی۔

مگر بغیر زر کے بھی ادل بدل ہوتی ہے۔ غیر ملکوں سے تجارت دَولت کی ادل بدل بغیر زر ہے۔ آج کل تو حقیقت میں ایک ملک جیسے ایران دوسرے ملک کا مال اس وقت خریدتا ہے۔ جب سمجھوتہ ہو جائے۔ کہ اس کے بدلے میں برابر کا ایران کا مال خریدا جائے گا۔ اگر ہم جرمنی سے ۸ کروڑ روپے کی کلیں خریدیں۔ اور جرمنی ہم سے اسی قیمت کا کچا مال خریدے۔ تو دولت کی ادل بدل بغیر زر ہو گئی۔ نہ ہمیں کچھ لینا رہا نہ دینا۔ مال کے بدلے میں مال دیا اَور لیا۔

ہمارے گھروں میں ادل بدل بغیر زر ہوتی رہتی ہے۔ چھوٹے بچوں کی جیبیں۔ صندوکڑیاں تلاش کرو۔ کنکر۔ پتھر ٹوٹے ہوئے چاک۔ پنسلیں۔ شیشے کی گولیاں ملیں گی۔ اِس دَولت کی بچوں میں ادل بدل ہوتی ہے۔ بچے جھگڑتے بھی ہیں کہ نہیں۔ ایک شیشے کی گولی کے بدلے میں میں دو

چاک کے ٹکڑے دُونگا۔تین یا چار نہیں +

فرض کرو۔میرے باغ میں بے دانہ انگور کی بیل ہے۔اور تم کشمیر سے بڑے بڑے سیب لائے ہو۔تمہارے پاس انگور نہیں۔اور میرے پاس سیب نہیں۔میں بدلے میں سیب لینا چاہتا ہوں۔اور تم انگور۔ادل بدل کی شرح کیا ہوگی ؟

اس سے بحث نہیں۔کہ تم نے سیب کتنی محنت سے پیدا کئے۔اور میں نے انگور کی بیل لگانے میں کتنی عرق ریزی کی۔سوال یہ ہے۔کہ کتنے انگور لے کر تم مجھے ایک سیب دوگے۔اور میں ایک سیب کے عوض میں کتنے انگور دینے کو تیار ہوں +

فرض کرو۔میں ایک سیب کے بدلے میں ۵۰ انگور دے دونگا۔مگر تمہیں اس کا علم نہیں ہے۔تم ۲۰ انگوروں کے بدلے میں ایک سیب دے دوگے۔مگر مجھے تمہارے دل کا کیا پتہ ؟ اس صورت میں ادل بدل کی شرح ایک سیب برابر ۲۰ انگور۔اور ۵۰ انگور کے اندر اندر ہوگی۔۲۰ انگور سے کم نہیں ہو سکتی۔کیونکہ ۲۰ انگور سے کم لینے پر تم راضی نہیں۔۵۰ انگور سے زیادہ نہیں۔کیونکہ میں نہ دونگا۔۲۰ اور ۵۰ کے درمیان کسی شرح پر سودا ہو سکتا ہے۔ممکن ہے۔۳۵ انگور کی شرح تمہیں اور مجھے دونوں کو منظور ہو۔اگر

تم بھولے بھالے ہو۔ اور میں اکائیاں تو ہیں ظاہر کرونگا
کہ سیب مجھے پسند نہیں۔ یا کہونگا۔ کہ سیب میٹھے نہیں
معلوم ہوتے۔ لے جاؤ۔ شاید تم اس طرح دھوکے ہیں
آ جاؤ۔ اور ۲۱ انگوروں کے بدلے میں ایک سیب دے
دو ÷

اس شرح پر ایک سیب تو دے دوگے۔ مگر دوسرا
نہیں۔ کیوں ؟ پہلے تمہارے پاس انگور تھے ہی نہیں۔
انگور ملتے ہی ان کی آخری ضرورت گھٹنے لگے گی۔ دوسرا
سیب شاید ۲۵ یا ۳۰ انگوروں کے بدلے میں دو ÷

اس طرح اول بدل ہوتی رہے گی۔ میرے لئے سیبوں
کی آخری ضرورت اور تمہارے لئے انگوروں کی گھٹتی چلی
جائے گی۔ اور میرے لئے انگوروں کی اور تمہارے لئے
سیبوں کی آخری ضرورت بڑھنے لگے گی۔ اگر سیب دیتے
دیتے اور انگور لیتے لیتے تمہارے لئے دونوں کی آخری
ضرورت برابر ہو جائے۔ تو تم ہاتھ کھینچ لوگے یہی حال
میرا ہوگا۔ اگر دونوں کے لئے دونوں پھلوں کی آخری ضرورت
برابر ہو گئی ہے۔ تو اول بدل ختم ہوئی ÷

ہم نہیں بتا سکتے۔ کہ اول بدل ختم ہوتے وقت
کس شرح پر اول بدل ہوگی۔ اور کتنے کل انگوروں کے
بدلے میں تم کتنے کل سیب دوگے ÷

مگر بہت سے انگور اور سیب بیچنے والے ہونگے۔ تو

مقابلے کی وجہ سے ایک ہی شرح پر ادل بدل ہوگی۔ منڈیوں میں ایک ہی قیمت پر اشیاء خرید و فروخت ہوتی ہیں۔ شرط یہ ہے۔ کہ اجارہ نہ ہو۔ اور چیز بیچنے اور خریدنے والوں کو علم ہو۔ کہ اور بیچنے اور خریدنے والے کس بھاؤ پر سودے کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہو کہ فلاں شخص ۴ر سیر آم دیتا ہے۔ تو جان بوجھ کر اسی قسم کے آم میں ۵۔ ۶ آنے سیر کیوں دُونگا۔ اسی طرح اگر زر کا استعمال نہیں بھی ہے۔ مگر انگور اور سیب والے بہت سے ہیں۔ اور آپس میں مقابلہ ہے۔ تو ایک ہی شرح پر سودے ہونگے۔ اور ہر ایک اس شرح پر اتنے انگور یا سیب لیگا۔ کہ اس کے لئے دونوں کی آخری ضرورت برابر ہو جائے ٭

زر کے ذریعے ادل بدل

ہم اُوپر بتا چکے ہیں۔ کہ غیر ملکی تجارت ادل بدل بغیر زر کی ایک شکل ہے۔ ہاں سونا دینا پڑے گا اگر ہم نے جرمنی سے ۱۲ کروڑ روپے کا مال خریدا ہے اور جرمنی نے ہندوستان سے ۸ کروڑ روپے کا۔ یہ کہنا بجا ہے کہ برآمد درآمد کی قیمت ہے ٭

مگر ملک کے اندرُونی کاروبار میں روزانہ اور ہر وقت زر استعمال ہوتا ہے۔ ہر شئے ہر خدمت کی قیمت

روپے پیسے کی شکل میں ادا کی جاتی ہے +

اول بدل کے متعلق موٹے موٹے سوال مفصلہ ذیل ہیں :-

اوّل - اشیاء کی قیمتیں کیونکر مقرر ہوتی ہیں - اور گھٹتی بڑھتی ہیں +

دوم - خدمات کی قیمتیں کیونکر مقرر ہوتی ہیں - اور گھٹتی بڑھتی ہیں +

پہلے سوال کو توڑ کر ہم کئی سوال بنا سکتے ہیں - اشیاء کی دو بڑی بڑی قسمیں ہیں :-

۱ - اشیاء جو محنت سے تیار ہوں - جیسے گندم - کپاس - میز - کرسی - مٹھائی - تصویریں - کتب +

۲ - زمین جو قدرت کا عطیہ ہے +

پھر اشیاء جو محنت سے تیار ہوتی ہیں - دو طرح کی ہیں :-

۱ - اشیاء جو دوبارہ پیدا کی جا سکتی ہیں +

۲ - اشیاء جو دوبارہ پیدا نہیں کی جا سکتیں +

گندم - کپاس کی فصلیں سالانہ اگائی جاتی ہیں - ایک کتاب کو بیسیوں دفعہ چھپوا لو - اور جتنی چاہو - کاپیاں بنا لو - مگر داغ یا غالب کا قلمی لکھا ہوا نسخہ نایاب ہے - راجا روی ورما کے ہاتھ کی کھچی ہوئی تصویریں نقل کی جا سکتی ہیں - مگر دوبارہ پیدا نہیں کی جا سکتیں +

زمین کسی کی محنت سے پیدا نہیں ہوئی - مگر قیمت رکھتی ہے - ایک اور مثال ہے - دستخط جو میں کاغذ پر کر دوں - دستخط کرنے کی محنت صفر کے برابر - مگر لیڈروں کے دستخط بکتے ہیں - مہاتما گاندھی اور ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹاگور نے اپنے دستخط پانچ پانچ روپے میں لاہور میں بیچے ہیں ؞

یاد رہے - کہ دستخطوں کی قیمت - زمین کی قیمت - خدمات کی قیمت اور آٹے دال گھی کی قیمت ایک ہی ادل بدل کے سوال کے مختلف پہلو ہیں - جو بھی ادل بدل کو سمجھانے کا دعوےٰ کریگا - اسے ان تمام سوالوں کے جو ہم نے اوپر لکھے ہیں جواب دینے ہونگے - فرض کرو - تم قیاس گھڑو - اور کہو کہ میرے قیاس کو خدمات کی قیمت سے سروکار نہیں - یا یہ کہ مجھے زمین سے بحث نہیں - چونکہ زمین محنت سے نہیں بنی - یا یہ کہ مجھے نہیں معلوم کہ نایاب اشیاء کیوں بڑی بڑی قیمتیں پاتی ہیں - یا یہ کہ اشیاء اور خدمات کی قیمتیں کیوں آج کچھ ہیں - اور کل کچھ - تو تمہارا قیاس اُدھورا ہی نہیں غلط ہے - قیاس وہ درُست اور ماننے کے قابل ہے - جو ادل بدل کے ہر پہلو پر روشنی ڈالے - اور ہر قسم کی ادل بدل کی شرح واضح کرے - قیمت قیمت میں فرق نہیں - خواہ خدمات کی ہو - خواہ نایاب اشیاء کی - قدرت کے عطیّہ کی ہو - خواہ گندم کپاس کی - ایک ہی اصول ہے - جس کے مطابق قیمت

مقرر ہوتی ہے۔ جیسے ایک ہی اصول ہے۔ جس کے مطابق پھل پک کر زمین پر گر پڑتا ہے۔ اور زمین سورج کے اور چاند زمین کے گرد چکر لگاتا ہے +

فصل ۱۰

محنت کا قیاس

جرمنی کے مشہور اشتراکی کارل مارکس نے اپنی اشتراکیت کی بنیاد مسئلہ لوٹ کھسوٹ پر رکھی۔ اور لوٹ کھسوٹ کی جڑ میں محنت کا قیاس رکھا +

مارکس کے خیال میں ہر چیز میں جو محنت سے پیدا کی جائے محنت منجمد ہے۔ اور یہ محنت ہی اس چیز کی اصلی قیمت ہے۔ مگر مزدور کو محنت کی پوری اجرت نہیں ملتی۔ اگر پوری اجرت ملے۔ تو سرمایہ دار منافع نہیں کما سکتا۔ منافع کمانے کی خاطر سرمایہ دار مزدور سے ۱۲ گھنٹے کام کراتا ہے۔ اور ۶ گھنٹے کی اجرت دیتا ہے۔ چرائی ہوئی مزدور کی ۶ گھنٹے کی اجرت سرمایہ دار کا منافع ہے۔ اس مثال میں ہم نے مزدور کو لوٹنے کی شرح سو فی صدی مانی ہے۔ یعنی مزدور نے ۶ گھنٹے اپنی

خاطر کام کیا۔ اور ۶ گھنٹے سرمایہ دار یا کارخانہ دار کے لئے
یہ مسئلہ سرتاپا غلط ہے۔ اگر منافع مزدوروں کو لوٹ
کر ہی پیدا ہوتا ہے۔ تو جس صنعت میں مزدور زیادہ
کام کرینگے۔ اور کلوں سے کم کام لیا جائیگا۔ منافع کی
شرح زیادہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ لوٹنے کے لئے زیادہ مزدور
موجود ہیں۔ اگر بحث کی خاطر مان لیا جائے۔ کہ مختلف
صنعتوں میں شرح منافع تقریباً برابر اس وجہ سے ہو
جاتی ہے۔ کہ سرمایہ ایک صنعت میں سے نکال کر
دوسری صنعت میں (جہاں زیادہ فائدے کی اُمید ہو) ڈالا
جا سکتا ہے۔ پھر بھی ایک اعتراض رہ جاتا ہے۔ جس کا
جواب نہیں ملتا۔ مختلف صنعتوں میں جو پکّا مال تیار کریں۔
مقابلہ ہوتا ہے۔ اور ان میں سے ایک کا سرمایہ نکل کر
دوسری صنعت میں نفع کی خاطر چلا جاتا ہے۔ مگر مارکس نے
تسلیم کیا ہے کہ پکے مال تیار کرنے والی صنعتوں اور زراعت
میں مقابلہ نہیں۔ زراعت میں مزدوروں سے زیادہ اور کلوں سے
کم کام لیا جاتا ہے۔ اس لئے زراعت میں شرح منافع صنعتوں
کی نسبت دُگنی اور چوگنی ہونی چاہیئے۔ حقیقت میں زراعت میں
شرح منافع مشکل سے ۲½ - ۳ فیصدی ہے۔ اس کے مقابلے
میں صنعتوں میں تگنی اور چوگنی۔ ہندوستان ہی میں نہیں جہاں
بھر میں زراعت کے مقابلے میں صنعت زیادہ شرح منافع پیدا کرتی ہے۔
یا اور مثال لو۔ آج سے ۷۰ - ۷۵ سال پہلے دیسی

سُوتی کپڑے کے کارخانوں میں مزدُور ۱۶ - ۱۸ گھنٹے روزانہ کام کرتے تھے۔ اُجرت ۴ آنے اور کبھی دو پیسے اِنعام مِل گیا۔ انگلستان کے مقابلے میں مزدُوروں کو لوٹنے کی شرح ہمارے ملک میں دگنی تگنی ہوگی۔ پھر ہمارے کارخانوں میں برطانوی کارخانوں کی نسبت کلوں کا استعمال کم تھا۔ مطلب یہ ہے۔ کہ کلوں کے خرچ کے مقابلے میں مزدوری کی نسبت ہندوستانی مِلوں میں زیادہ تھی۔ اور برطانوی مِلوں میں کم۔ چونکہ ہندوستانی سرمایہ بمبئی سے نِکل کر لنکا شائر میں نہیں لگتا تھا۔ اور نہ برطانوی سرمایہ ہمارے سُوتی کارخانوں میں لگا۔ اس لئے دونوں جگہ شرح منافع برابر نہیں ہو سکتی تھی۔ مارکس کے مسئلہ لوٹ کھسوٹ کے مطابق ہندوستان کی کپڑے کی صنعت میں شرح منافع برطانیہ کے مقابلے میں چوگنی ہونی چاہیئے تھی۔ مگر حقیقت میں حال برعکس تھا ؛

مارکس کے غلطی کھانے کی بڑی وجہ یہ تھی۔ کہ اس نے محنت کو قیمت کی بُنیاد سمجھا۔ اصل میں محنت کا قیاس مارکس کا نہیں۔ مارکس سے پہلے ایک نامی ماہر اقتصادیات رکارڈو نے قیمت کی بُنیاد محنت کے قیاس پر رکھی تھی ؛

محنت کے قیاس پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔ جن کا جواب نہیں مِلتا ؛

اوّل۔ محنت دماغی بھی ہوتی ہے۔ اور جسمانی بھی۔ اور دماغی

اور جسمانی محنت بھی طرح طرح کی ہوتی ہے۔ کہنے کو کہہ دو۔ کہ کالج کے پرنسپل کی محنت کا ایک گھنٹہ اسی کالج کے چپراسی کی سو گھنٹے کی محنت کے برابر ہے۔ مگر حقیقت میں دونوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا +

رُوس میں سب سے ادنےٰ درجے کے مزدوروں کو اسّی سو روبل ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ اور بڑے بڑے انجنیئروں کو ۲۰ ہزار اور ۳۰ ہزار روبل ماہوار۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ بڑے انجنیئر کی محنت کا ایک گھنٹہ ادنےٰ درجے کے مزدوروں کی محنت کے ۲۰۰ یا ۳۰۰ گھنٹوں کے برابر ہے +

دوم۔ زمین محنت سے نہیں پیدا ہوئی۔ مگر ایک ایکڑ زمین جس کی ۱۵۰ روپے قیمت ہے برابر ہوئی ایک نہایت عمدہ بائیسکل کے جو اِن داموں ملتی ہے۔ اگر یہ دونوں چیزیں برابر ہیں۔ تو ان میں کوئی تیسری چیز برابر کی موجود ہے۔ یہ محنت نہیں ہے۔ کسی اور قیاس کی تلاش کرنی پڑے گی +

سوم۔ پُرانے قلمی نسخے نایاب ہونے کی وجہ سے ہزاروں روپوں میں بکتے ہیں۔ محنت سے کوئی سروکار نہیں +

چہارم۔ محنت سے چماروں نے جوتے تیار کئے۔ مگر لوگ جُوتے پہننا چھوڑ دیں۔ اور ننگے پیر پھرا کریں۔ تو جُوتوں کی کیا قیمت رہے گی۔ چیز تیار ہو جانے کے بعد

قیمت کا گھٹنا بڑھنا محنت کا قیاس نہیں سمجھتا سکتا۔

پنجم۔ کوئلہ دو روپے من اور ایک ہیرا دو لاکھ روپے کا۔ قیمت میں اتنا بھاری فرق محنت کی وجہ سے نہیں ہے

ششم۔ اُجرتوں کو لو۔ اُوپر ذکر آیا ہے۔ کہ اچھا گانے والا گھنٹہ بھر گانے کے سو روپے لیگا۔ کسان سال بھر میں بھی سو روپے نہیں کماتا۔ محنت کس کی زیادہ ہے؟

مارکس نے ضرورت کو قطعاً نظر انداز کر دیا۔ پھر ان اشیاء کو لیا۔ جو محنت سے تیار ہوتی ہیں۔ فرض کرو۔ ۲۰ گز کپڑا = ایک کوٹ یا دس پونڈ چائے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ ان میں برابر کی محنت کُوٹ کُوٹ کر بھری ہے۔ یا منجمد ہے۔ محنت برابر کی ہو یا نہیں۔ ان کی آخری ضرورت برابر ہے۔ اگر آخری ضرورت میں فرق ہے۔ قیمت میں فرق ضرور بالضرور ہوگا۔ جس چیز کی آخری ضرورت صفر ہے۔ قیمت بھی صفر ہوگی۔ مثلاً ہوا اور پانی۔ کوئلوں کی آخری ضرورت ہیروں سے کم ہے۔ اگرچہ کوئلے زیادہ کام کی چیز ہیں۔ اس لئے کوئلے سستے اور ہیرے لاکھوں روپے کے۔ اچھے گانے والوں کی قدر و قیمت کیوں ہے؟ اگر اچھے گانے والوں کی تعداد بینڈوں کے برابر پہنچ جائے۔ انہیں گھنٹہ بھر گانے کے چار پیسے

بھی مشکل سے ملیں۔ نایاب چیزیں جیسے پرانی کتابیں۔ تصویریں۔ دستخط کے کاغذ بڑی قیمت پاتے ہیں۔ وجہ مانگ ہے۔ آئے دن قیمتوں کا گھٹنا بڑھنا بھی اسی وجہ سے ہے۔ مانگ کے بدلنے سے اشیاء کی آخری ضرورت گھٹ بڑھ جاتی ہے۔ زمین کی قیمت شہروں میں بیس اور تیس ہزار روپے کنال تک ہے۔ شہر ویران ہو جائے۔ تو زمین کوئی ٹکے گز بھی نہ ملے +

فصل ۱۱

لاگت

تم شاید کہو گے۔ کہ قیمت کا اشیاء پیدا کرنے کی لاگت سے واسطہ نہ رہا۔ واسطہ ہے۔ مگر دیکھنا چاہیئے کیونکر ؟

قیمت مانگ اور رسد کے تعلق سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر رسد ہے ہی نہیں۔ تو مانگ کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اگر مانگ عنقا ہے۔ تو رسد دو کوڑی کی۔ مانگ اور رسد دونوں موجود ہیں۔ تو قیمت کا ظہور ہوگا +

انگور لاہور میں نہیں پیدا ہوتے۔ سال میں ایک

فصل سرد مقاموں میں ہوئی۔ فصل نے رسد کی مقدار مقرر کر دی۔ یہ موسم بھر کی رسد ہے۔ مگر روزانہ لاہور میں انگور آتے ہیں۔ اگر کسی دن کم آئینگے۔ اور مانگ جُوں کی توں ہے۔ تو قیمت بڑھ جائے گی۔ وجہ آخری ضرورت کا بڑھ جانا ہے۔ دوسرے روز کسی وجہ سے مانگ گھٹ جائے۔ تو قیمت گر جائے گی۔ جس دِن گرمی بلا کی پڑ رہی ہو۔ برف ۲ر سیر تک ہو جاتی ہے۔ چھینٹا پڑ جائے۔ تو وہی برف دو پیسے اور پیسے سیر لے لو۔ بارش کے دِن قلفیاں والے آدھے داموں قلفیاں بیچ دیتے ہیں ؛

روزانہ کسی چیز کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے کا اس کی لاگت سے کوئی واسطہ نہیں۔ ممکن ہے۔ کسی دِن قیمت لاگت سے کم ہو جائے۔ اور کسی دن لاگت سے بہت زیادہ بھی ؛

مگر عام طور پر قیمت لاگت سے زیادہ ہوگی۔ تو زیادہ مقدار میں چیز بنائی جائے گی۔ سوال یہ ہے۔ کہ رسد بڑھانے کے لئے کتنا عرصہ درکار ہے ؛

فرض کرو کپڑے کی مانگ بڑھ گئی۔ رسد بڑھانے کے دو طریقے ہیں۔ اوّل پرانی کلوں سے پُرانے کارخانوں میں زیادہ کپڑا تیار ہو۔ دوم یہ کہ نئے کارخانے کھڑے کئے جائیں۔ مگر نئے کارخانے کھڑے کرنے کے لئے عرصہ

چاہیئے - اس لئے پہلے پہلے پرانی کلوں سے زیادہ کپڑا بنایا جائے گا - نئے ملازم بھرتی کئے جائینگے - جلد سے جلد کام ہوگا - کپڑا بنانے کی لاگت میں اضافہ ہوگا - اور کپڑے کی قیمت بڑھ جائے گی - کپڑے کے کارخانے منافع بھی زیادہ کمائینگے - اس کا اثر یہ ہوگا - کہ نئی کلیں منگائی جائیں گی - نئے کارخانے تعمیر ہونگے - اور پہلے سے بڑے پیمانے پر کام ہوگا - عرصہ دراز میں مانگ کے بڑھنے سے کپڑے کی قیمت بڑھے گی نہیں گریگی - وجہ لاگت کا گھٹنا ہے +

مانگ گھٹے بڑھے - تو رسد بھی گھٹتی بڑھتی ہے - مگر رسد کے گھٹنے بڑھنے کے لئے کافی عرصہ نہیں ہے - تو قیمت آخری ضرورت مقرر کرتی ہے - یہ لاگت سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے (جب مانگ بڑھ جائے) اور لاگت سے کم بھی (جب مانگ گھٹ جائے) +

عرصہ دراز میں قیمت لاگت کے قریب قریب برابر ہوگی - اگر لاگت قیمت سے کم ہے - تو رسد کا بڑھنا لازمی ہے - اگر لاگت قیمت سے زیادہ ہے - تو رسد کا گھٹنا ضروری ہے +

اگر لاہور میں عام طور پر گرمیوں میں درجہ حرارت ۱۲۵ کی خبر لانے لگے - برف کی مانگ بڑھ جائے گی - فوراً قیمت بڑھے گی پہلے پرانے کارخانوں میں برف زیادہ بنتی

شروع ہوگی - پھر نئے کارخانے بنیں گے - نئی کلیں منگائی جائیں گی - دو سال کے اندر اندر شاید مانگ کی برابر رسد بڑھانے کا انتظام ہو جائے - چونکہ بڑے پیمانے پر کام کرنے سے لاگت گھٹ جاتی ہے - برف کی قیمت پہلے سے بھی کم ہو جائے گی +

نتیجہ یہ نکلا - کہ قیمت پر لاگت اور مانگ دونوں کا اثر ہوتا ہے - عرصہ تھوڑا ہے - تو مانگ کا اثر غالب رہتا ہے - عرصہ دراز ہے - تو لاگت کا - اگر عرصہ زیر بحث ایک ہفتہ یا ایک دن ہی ہے - یا بہت ہی کم - تو لاگت کو نظر انداز کر دو - قیمت کا دار و مدار آخری ضرورت یا مانگ پر ہوگا +

رسد اور مانگ کے تعلقات اور قیمت کا گھٹنا بڑھنا نقشوں کی مدد سے بہ آسانی سمجھ میں آ جاتا ہے :-

دونوں نقشوں میں رسد ماپنے کا گز ش ب ہے۔ اور قیمت ماپنے کا ش ا ۔ م م مانگ کی ٹیڑھی لکیر ہے۔ اور ر ر رسد کی۔ لکیر م م کے معنی یہ ہیں کہ اگر اس لکیر پر کہیں سے نقطہ لگا کر ہم ش ب پر عمود گرائیں۔ جیسے ک ل ۔ اور ذکر گندم کا ہے۔ تو ک ل قیمت فی من مانگ کو ظاہر کرے گی۔ جب رسد ش ل ہے۔ جب رسد ش ن ہوگی۔ مانگ غ ن فی من۔ رسد ش ح ہوگی۔ مانگ چ ح فی من۔ یعنی رسد کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ قیمت فی من جو منڈی میں گاہک دینے کو تیار ہیں گرتی جائے گی +
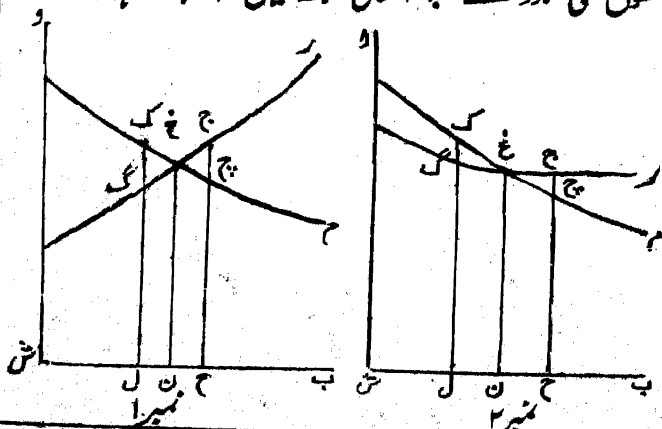
مانگ کی ٹیڑھی لکیر کا رُخ ہمیشہ اُوپر سے نیچے کی جانب رہے گا۔ کیونکہ آخری ضرورت کے قانون کے مطابق رسد کے بڑھنے سے آخری ضرورت گھٹے گی۔ اور قیمت گریگی۔ اگر آخری ضرورت صفر کے برابر ہو جائے قیمت بھی صفر ہو جائے گی +

پہلے نقشے میں رسد کی ٹیڑھی لکیر نیچے سے اوپر کو جا رہی ہے۔ مگر دوسرے نقشے میں مانگ کی لکیر کی طرح اس کا رُخ اُوپر سے نیچے کی طرف ہے +

رسد کی لکیر کے معنی سمجھو۔ پہلے نقشے میں جب رسد ش ل ہے۔ لاگت فی من گ ل ہوگی۔ کیونکہ مقام گ لکیر ر ر پر واقع ہے۔ رسد ش ن ہے۔ تو لاگت فی

من غ ن - اور رسد ش ح ہو - تو لاگت فی من ج ح -
رسد کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ لاگت فی من بڑھتی جاتی
ہے ٭

مقام غ تم اور ر دونوں لکیروں پر واقع ہے مطلب
یہ ہے - کہ جب رسد ش ان کے برابر ہے - لاگت فی
من غ ن اور مانگ فی من بھی غ ن - اس قیمت پر
مانگ اور رسد برابر برابر ہیں - اور اس قیمت پر گندم
کا ٹھیراؤ ہوگا ٭

اور کہیں ٹھیراؤ نہیں ہو سکتا - اگر رسد ش ل ہے -
تو مانگ فی من ک ل اور لاگت گ ل - گندم زیادہ پیدا
کی جائے گی - اگر رسد ش ح ہے - تو مانگ فی من
یچ ح اور لاگت زیادہ ج ح - رسد سکڑے گی اور ش ن
پر قیام کرے گی ٭

دوسرا نقشہ پہلے کی مانند ہے - فرق یہ ہے - کہ
رسد بڑھنے سے اس نقشے میں لاگت گرتی ہے -
پیداوار لاگت گھٹنے کے قانون کے تابع ہے - رسد
پکی چیز کی ہوئی جیسے کپڑا - قیمت کا ٹھیراؤ پہلے کی طرح
غ ن پر ہوگا ٭

مانگ کے بڑھنے کا قیمت پر اثر ذیل کے نقشوں
سے ظاہر ہے :-

نمبر۲   نمبر۱
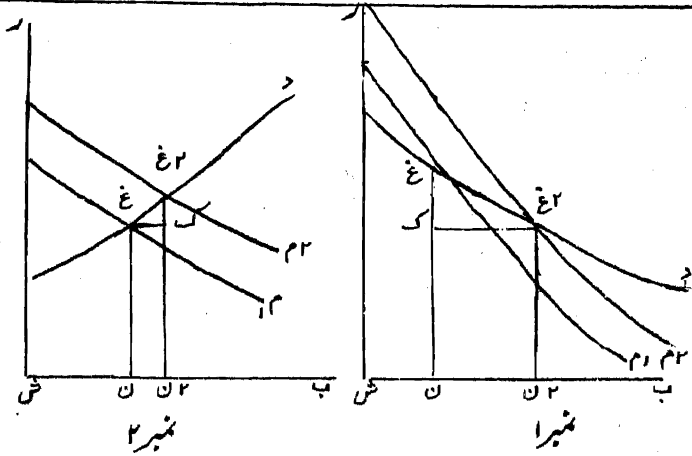
نمبر۱ گندم کا نقشہ ہے۔ اور نمبر۲ کپڑے کا۔ رسد کی ایک ٹیڑھی لکیر ہے۔ مگر مانگ یا قم کی دو۔ مانگ کا بڑھنا دونوں نقشوں میں ہم نے مانگ کی دوسری لکیر پہلی لکیر کے اوپر کھینچ کر ظاہر کیا۔ مطلب یہ ہے۔ ش ن ۲ کے برابر گندم کی رسد غ۲ ن۲ قیمت پر خریدی جائے گی۔ اس قیمت پر مانگ فی من اور لاگت فی من برابر ہونگی۔ پہلے کی نسبت قیمت بڑھ گئی۔ فرق ک غ۲ ہے +

دوسرے نقشے میں مانگ کے بڑھنے سے کپڑے کی قیمت گر گئی۔ فرق ک غ ہے +

مانگ جوں کی توں رہے۔ اور رسد بڑھ جائے۔ تو قیمت پر کیا اثر ہوگا؟
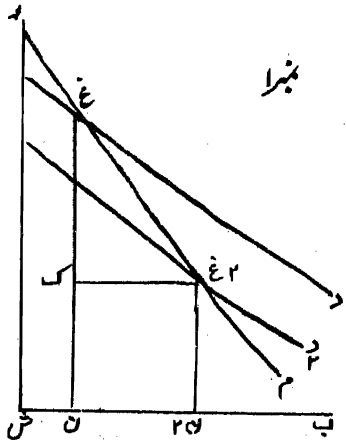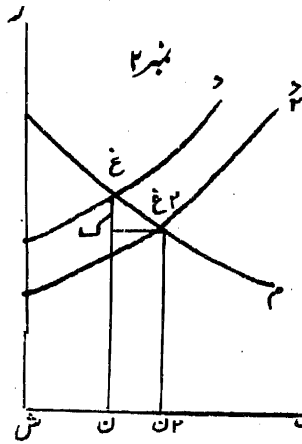
مانگ کی ایک لکیر ہے۔ مگر رسد کی دونوں نقشوں میں دو دو لکیریں۔ رسد کا بڑھنا ہم نے رسد کی پہلی لکیر کے نیچے دوسری لکیر ر۲ کھینچ کر ظاہر کیا +

دونوں نقشوں میں قیمت گرتی ہے۔ مگر گندم کی قیمت کم گری اور کپڑے کی زیادہ۔ کیوں ؟

رسد کے بڑھنے سے بڑے پیمانے پر کام کرنے کے فوائد حاصل ہونگے۔ اور کپڑے کی لاگت فی گز گر جائیگی"

قیمت مقرر کون کرتا ہے ؟

اوپر کے نقشوں سے ظاہر ہے۔ کہ ہر شے کی قیمت کا ایک نہ ایک مقام پر ٹھیراؤ ہوتا ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے۔ جس پر مانگ اور رسد برابر کی ہوتی ہیں +

مگر خواہ گندم کو لیں خواہ کپڑے کو۔ گندم پیدا کرنے والے اور کپڑے بنانے والے بہت سے ہوتے ہیں۔ اور ان سب کی لاگت برابر نہیں ہو سکتی۔ کوئی کارخانہ دار زیادہ ہوشیار ہے کوئی کم۔ ہوشیار کام میں طاق کارخانہ دار سستا کپڑا بنائے گا۔ اور سستا بیچ بھی سکتا ہے۔ تم خیال کرو گے۔ کہ کپڑے کی قیمت سب سے زیادہ ہوشیار کارخانہ دار مقرر کریگا ؀

نہیں۔ اگر سب سے ہوشیار کارخانہ دار تمام مانگ پوری نہیں کر سکتا۔ اس سے کم درجے کے کارخانہ داروں کو بھی اپنا مال بیچنے کا موقعہ ملے گا۔ فرض کرو۔ کارخانہ دار اب ج د ہیں یعنی چار۔ اور بھی دو ہیں س اور ش۔ مگر کارخانہ س نیا قائم ہوا ہے۔ اور اس کے پیر نہیں جمے ہیں۔ کارخانہ ش ٹوٹ رہا ہے۔ اور شاید دو چار دن میں بند کرنا پڑے۔ س اور ش کی لاگت کا قیمت پر کچھ اثر نہ ہوگا۔ باقی چار کارخانوں میں د کی لاگت سب سے زیادہ ہے۔ اگر د کے کپڑے کے بغیر گذارہ نہیں ہوتا۔ تو گاہکوں کو قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ جو کم از کم د کی لاگت کے برابر ہو۔ ورنہ د کپڑا بنانا چھوڑ دیگا۔ اور مانگ جُوں کی تُوں رہی۔ تو قیمت بڑھ جائے گی ؀

کسی ایک وقت میں دیکھو۔ کہ مانگ کتنے کپڑے

کی ہے۔ پھر معلوم کرو۔ کہ کتنے کارخانے جن کے اس صنعت میں پیسہ جمع ہوئے ہیں مل کر کپڑے کی مانگ پوری کر سکتے ہیں۔ اِن کارخانوں میں جس کارخانے کی لاگت سب سے زیادہ ہوگی وہی قیمت مقرر کریگا۔ باقی کارخانے اسی قیمت پر کپڑا فروخت کرکے زیادہ نفع کمائینگے +

مگر بڑھیا کارخانے اپنی پیداوار بڑھانے کی کوشش میں لگے رہیں گے۔ اس لئے عرصہ دراز میں قیمت گریگی۔ یعنی عرصہ دراز میں بڑھیا کارخانے داروں کی لاگت کا کپڑے کی قیمت پر زیادہ اثر ہوگا +

اسی طرح کسی وقت بھی گندم کی قیمت اس خراب زمین والے زمیندار کی لاگت کے برابر ہوگی۔ جس کی گندم لئے بغیر مانگ پوری نہیں ہو سکتی۔ ہم نے یہ فرض کیا ہے۔ کہ گندم کی درآمد نہیں ہے۔ فرض کرو۔ زمیندار الف سے لے کر ل تک ہیں۔ زمیندار ل کی زمین سب سے ردّی ہے۔ مگر اس کی گندم کی گاہکوں کو ضرورت ہے۔ قیمت کم سے کم اتنی ضرور ہوگی۔ کہ زمیندار ل کی لاگت پوری ہو جائے۔ ورنہ مانگ زیادہ ہوگی۔ اور رسد کم +

اگر مانگ بڑھ جائے۔ تو زمیندار م۔ ن بھی گندم پیدا کرنے لگیں گے۔ ان کی زمین اور بھی خراب ہے۔

لاگت فی من اور بھی بڑھ جائے گی ÷
ہاں اگر کیمیائی کھاد کے ذریعے عمدہ زمینوں کی پیداوار فی ایکڑ بڑھ جائے۔ تو شاید زمیندار ل کی گندم کی ضرورت نہ رہے۔ اس صورت میں قیمت گر جائیگی ÷

فصل ۱۲

لاگت کی جڑ میں آخری ضرورت بیٹھی ہوئی ہے

لاگت کے کئی جزو ہیں۔ مثلاً کپڑے کو لو۔ کپڑے کی لاگت میں شامل ہے۔ کپاس کی قیمت۔ سود اُس سرمایہ کا جو کارخانوں اور کلوں میں لگا ہوا ہے۔ کلوں کا گھساؤ۔ زمین کا کرایہ جس پر کارخانہ کھڑا ہے۔ ملازمین کی تنخواہیں اور کارخانہ دار کا واجب منافع جس کی خاطر اس نے کام شروع کیا ÷
یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کپڑے کی لاگت زیادہ یا کم کیوں نہیں ہے۔ دریافت کرنا ہوگا۔ کہ کپاس کی

قیمت کیوں ۵ روپے من ہے - تین یا دس روپے من کیوں نہیں - شرح سُود ۷ فی صدی کیوں ہے - ۶ کیوں نہیں - کلوں کی قیمت کیونکر مقرر ہوئی - ملازمین کی تنخواہیں کیونکر مقرر ہوئیں - اور کارخانہ دار مقرّر نفع کی خاطر کیوں کام کرنے کو تیار ہے +

کپاس کی قیمت کے بھی کئی جزو ہیں - بیج کی قیمت - پانی کا خرچ - بیلوں کا خرچ اور ان کا گھساؤ - بیلوں کنواں اور اوزاروں کی قیمت پر سُود - کمیّوں کا خرچ - اور زمیندار کی اپنی محنت کی اُجرت +

جو سوال ہم نے اُوپر کئے - ان کو پھر دُہرانا پڑیگا - کنواں لگانے میں ایک خاص رقم کیوں خرچ ہوئی ہے - بیلوں کی قیمت - شرح سُود - اوزاروں کی قیمت اور کمیوں کی اُجرت زیادہ یا کم کیوں نہیں تھی ؟

کنوئیں کی لاگت کے دو بڑے جزو ہیں - اینٹ چُونے کی قیمت اور مزدوروں اور مستریوں کی محنت +

سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا - پھر سوال اُٹھے گا - کہ اینٹ چُونے کی قیمت زیادہ یا کم کیوں نہیں ہے - یہ کس طرح مقرر ہوئی +

حقیقت یہ ہے - کہ ہر چیز کی لاگت کی تہ میں آخری ضرورت بیٹھی ہوئی ملتی ہے - اینٹ چُونے کو لو - اینٹ چُونا کنوئیں بنانے ہی کے کام نہیں آتے -

رہائشی مکان - مدرسے مندر مسجد - سرکاری دفاتر اور دیگر عمارتیں بنانے میں بھی استعمال ہوتے ہیں - ان تمام متفرق ضروریات میں اینٹ چونا اس طرح بٹیں گے - کہ ان کی آخری ضرورت ہر قسم کے کام میں برابر ہو جائے - اینٹ چونے کی قیمت اس آخری ضرورت کو ظاہر کرتی ہے - اگر کنوئیں بنانے والے اینٹ چُونا سستا خریدنا چاہیں نہیں ملیں گے - کیونکہ اَور جگہ بھی ان کی کھپت ہے ۔

مزدُوروں کی اُجرت مزدُوروں کی آخری ضرورت ظاہر ظاہر کرتی ہے - فرض کرو - مزدوری ۸ر روز ہے - اِس سے بحث نہیں - کہ مزدُور ۸ر روز میں رئیسوں کی طرح زندگی بسر کریگا - یا فقیروں کنگالوں کی طرح - ایک طرف تعداد مزدوروں کی ہے - جو کام پر لگنا چاہتے ہیں - دوسری طرف مانگ - اِس رشتے سے مزدوروں کی آخری ضرورت معلوم ہوئی - جو آخری مزدُور کو اُجرت ملے گی - وُہی اُجرت سارے مزدُوروں کو ملے گی - کیونکہ مزدُور مزدُور میں ہم نے فرق نہیں مانا ہے - اسی طرح اگر سیب ایک جیسے ہیں - تو ہر ایک سیب کی قیمت سیبوں کی آخری ضرورت مقرر کریگی ۔

مزدُوروں کے لئے بھی کام بہت ہیں - متفرق کاموں میں مزدُور اس طرح بٹ جائیں گے - کہ ہر جگہ اُن کی

آخری ضرورت برابر ہو جائے۔ اگر کسی ایک صنعت میں مزدوری ۸ر سے کم ہے۔ اس صنعت کو چھوڑکر مزدور دوسری صنعت میں گھسیں گے۔ اور اس صنعت کو مزدوری اسی شرح پر دینی پڑے گی۔ جو اور صنعتوں میں رائج ہے۔

اگر کام کے متلاشی مزدوروں کی تعداد بڑھ جائے۔ اور مانگ جُوں کی تُوں رہے۔ مزدُوروں کی آخری ضرورت گھٹ جائے گی۔ اور مزدوری کم ہو جائیگی۔

تم کہو گے۔ کہ مزدوری اتنی گھٹ جائے۔ کہ مزدور گذارا نہ کر سکے۔ تو شرح مزدوری بڑھانی پڑے گی۔ نہیں۔ شرح مزدوری اس وقت بڑھے گی۔ جب مزدوروں کی تعداد کم ہو جائے۔ ورنہ نہیں۔ تعداد کم ہونے سے اُن کی آخری ضرورت بڑھے گی۔ اور اس لئے اُجرت۔

کپڑے کی لاگت گویا آخری ضرورتوں کا مجموعہ ہے۔ سُود سرمایہ کی آخری ضرورت ظاہر کرتا ہے۔ کرایہ زمین زمین کی۔ اوزاروں کی قیمت لوہے کاٹھ اور اوزار بنانے والوں کی آخری ضرورت کا مجموعہ ہے۔ منافع کی شرح بھی کارخانہ داروں کی آخری ضرورت کا مظہر ہے۔ اگر کارخانہ داروں کی تعداد دُگنی چوگنی آٹھ گنی ہو جائے شرح منافع گر جائے گی۔

عرصہ دراز میں مانگ کے گھٹنے بڑھنے سے لاگت

میں فرق آتا ہے ۔ ہم نے اُوپر کہا ہے۔ کہ عرصہ دراز میں لاگت کا اثر مانگ پر غالب رہتا ہے۔ غلط نہیں کہا ۔ مگر کسی ایک وقت میں رسد مقرر ہوتی ہے ۔ مثلاً کل پرسوں یا دس سال بعد کپڑے ۔ لوہے ۔ چُونے ۔ آٹے دال ۔ گھی کی مقرر رسد ہوگی ۔ اور رسد اور مانگ کے مقابلے سے ۔ ہر شے کی آخری ضرورت کے مطابق قیمت لگے گی۔ قیمت کا سوال مقررہ رسد اور مانگ سے تعلق رکھتا ہے آج کپڑے کی ایک قیمت ہے ۔ کل کچھ اور ۔ دس سال بعد کچھ اور ہوگی ۔ مگر مانگ اور رسد دونوں گزوں میں ماپے جائیں گے ۔ خواہ آج خواہ کل ۔ خواہ دس یا سَو سال بعد ۔ اور جہاں دونوں کی ماپ شروع ہوئی آخری ضرورت کا عمل بھی شروع ہو گیا ؞

فصل ۱۳

اجارے والی اشیاء کی قیمت

اُوپر ہم نے فرض کیا تھا ۔ کہ کپڑا بنانے والے بہت ہیں ۔ اور ان میں مقابلہ ہے ۔ مگر فرض کرو ۔ کپڑے بنانے کا حکومت نے ایک بڑے بھاری کارخانے کو اجارہ دے

دیا ہے۔ کپڑے کی قیمت کیونکر مقرر ہوگی۔ تم شاید کہو۔ کہ کارخانہ دار جو چاہے گا۔ قیمت مقرر کریگا۔ نہیں۔ اجارہ دار کو غرض ہے زیادہ سے زیادہ نفع کمانا۔ ممکن ہے۔ وہ زیادہ نفع اس صورت میں کمائے۔ کہ قیمت کم ہو اور مال زیادہ لگے ॥

کپڑا لاکھ گزوں میں	لاگت فی گز آنے	کل لاگت لاکھ آنے	مانگ فی گز	کل قیمت جو ملی۔ لاکھ آنے	اجارہ دار کا منافع کل لاگت منفی کل قیمت لاکھ آنے
۱۰	۲۰	۲۰۰	۲۰	۲۰۰	۰
۲۰	۱۸	۳۶۰	۱۹	۳۸۰	۲۰
۳۰	۱۶	۴۸۰	۱۸	۵۴۰	۶۰
۴۰	۱۳	۵۲۰	۱۷	۶۸۰	۱۶۰
۵۰	۱۱	۵۵۰	۱۳	۶۵۰	۱۰۰
۶۰	۱۰	۶۰۰	۱۰	۶۰۰	۰
۷۰	۹	۶۳۰	۸	۵۶۰	۹۰ گھاٹا

اجارے دار کے اختیار میں ہے۔ کہ دس لاکھ گز کپڑا تیار کرے۔ خواہ ۷۰ لاکھ گز۔ مگر مانگ اختیار میں نہیں۔ اگر ۷۰ لاکھ گز کپڑا بیچنا چاہتا ہے۔ تو ۸ ر گز بیچنا پڑیگا۔ ورنہ مال پڑا رہے گا۔ یہ نہیں کر سکتا کہ ۷۰ لاکھ گز کپڑا اپنی مقرر کی ہوئی قیمت پر فروخت کرے۔ کپڑا

بڑے پیمانے پر بنانے سے لاگت فی گز گھٹ جاتی ہے۔ مگر جوں جوں کپڑے کی رسد بڑھتی ہے۔ مانگ فی گز بھی گھٹنی لازمی ہے۔ دس لاکھ گز کپڑے کے لئے مانگ فی گز ۲۰ آنے ہے۔ مگر منافع صفر۔ ۷۰ لاکھ گز کپڑے کے لئے مانگ ۸ر فی گز منافع کی جگہ نقصان ۹۰ لاکھ آنے ہوگا۔ اگر اجارے دار ۴۰ لاکھ گز کپڑا بنائے۔ تو ۱۶۰ لاکھ آنے منافع کمائے گا۔ اس لئے ۴۰ لاکھ گز کپڑا تیار ہوگا۔ لاگت فی گز ۱۳ر مانگ ۱۷ آنے فی گز۔ کل لاگت ۵۲۰ لاکھ آنے۔ کل قیمت جو ملی ۶۸۰ لاکھ آنے۔ اجارے دار کا منافع دس لاکھ روپے ؛

اجارے دار کو یہ بھی ڈر رہتا ہے۔ کہ حکومت مداخلت نہ کرے۔ کچھ عرصہ ہوا۔ حکومت نے مداخلت کرکے لاہور کی بجلی کمپنی کو بجلی کی قیمت گھٹانے پر مجبور کیا۔ گاہکوں کی ناراضگی کا خوف ہے۔ یہ بھی ڈر ہے۔ کہ بدلے کی چیز استعمال نہ ہونے لگے۔ ایک قسم کا کپڑا دوسرے قسم کے کپڑے کی جگہ استعمال ہو سکتا ہے۔ اور اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کہ مقابلہ دوبارہ شروع ہو جائے ؛

نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اجارے دار زیادہ سے زیادہ قیمت نہیں مقرر کرے گا ؛

یہ ضروری نہیں - کہ اجارہ دار سب گاہکوں سے ایک ہی قیمت لے - ذرا چیز کی شکل بدل کر امیروں سے زیادہ قیمت وصول کرے گا +

وید حکیم دوائیں رئیسوں راجے مہاراجوں کے ہاتھ بڑی قیمت پر فروخت کرتے ہیں - عام لوگوں کے واسطے قیمت کم ہوتی ہے +

مدرسوں میں ایک ہی تعلیم کی فیس بعض طلباء سے والدین کی آمدنی کے مطابق دُگنی بھی لی جاتی ہے - ڈاکٹر ایک مریض سے پوری فیس لیتا ہے - دوسرے مریض سے نصف - اس میں مریضوں ہی کا نہیں - ڈاکٹر صاحب کا بھی بھلا ہے +

سب سے بہتر مثال ریلوے کی ہے - ریلوے کی دو خصوصیتیں ہیں - اوّل الگ الگ مال یا مسافر لے جانے کا خرچ معلوم نہیں ہو سکتا - دوم چونکہ ریلوے میں سرمایہ بہت لگا ہوتا ہے - اور تیل کوئلے یا ریلیں چلانے کا خرچ مقابلتاً کم ہے - جتنا زیادہ مال یا سواریاں ریلوے لے جائے گی - ریلوے کو بچت رہے گی - میلوں پر ریلوے کمائی کرتی ہے - نہ نئی پٹڑیاں ڈالنی پڑتی ہیں - نہ نئے پُل تیار کرنے پڑتے ہیں - ایک طرف سے دوسری طرف انجن گاڑیاں اور ریل کے ملازم منتقل کر دئے جاتے ہیں - خرچ میں اضافہ کم ہوتا ہے - مگر آمدنی

بے حساب بڑھ جاتی ہے +

ریلوے کی کوشش ہوتی ہے۔ کہ کل خرچ آمدنی سے کم رہے۔ مال مسافر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا کرایہ مقرر کرنے میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کرایہ برداشت ہو سکے گا یا نہیں۔ ریشم قیمتی چیز ہے۔ کوئلہ کا حجم زیادہ ہے۔ مگر قیمت کم۔ ریشم زیادہ کرایہ برداشت کر سکتا ہے۔ کوئلہ نہیں۔ اِس لئے ریشم کے لئے شرح زیادہ ہے۔ یہ نہیں۔ کہ ریشم کو درجہ اوّل کی گاڑیوں میں لے جاتے ہیں۔ نرم نرم گدیلوں پر رکھتے ہیں۔ اور اُوپر بجلی کا پنکھا چلتا رہتا ہے +

ڈیوڑھے درجے کے مسافر کرایہ ڈیوڑھا دیتے ہیں۔ مگر آرام ڈیوڑھا نصیب نہیں ہوتا۔ اکثر تیسرے درجے میں تکلیف زیادہ نہیں ہوتی +

نیچے کی تصویر میں ہم نے ایک بڑی لائن دکھائی ہے اب۔ ج د شاخ ہے۔ جو بڑی لائن کے لئے مال و مسافر لاتی ہے۔ ج د کا کرایہ اب سے زیادہ ہونا ممکن ہے۔ اگر شاخ پر کام تھوڑا ہے +

ا ج د ب
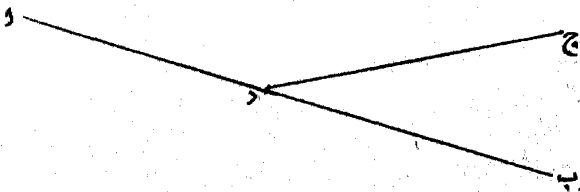
نیچے کی تصویر میں الف سے ب جانے کے دو راستے ہیں۔ د ہوتے ہوئے یا ج چ ہوتے ہوئے۔ ج چ والا راستہ لمبا ہے۔ مگر کرایہ دونوں راستوں سے ایک ہی لیا جائے گا۔ جیسے لاہور سے دہلی جانے کا۔ خواہ امرتسر ہوتے ہوئے جاؤ۔ خواہ بھٹنڈے کے راستے۔
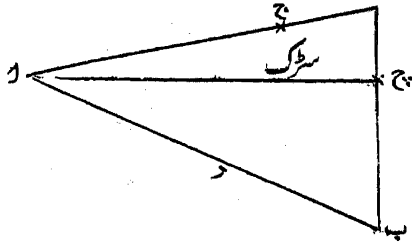
مگر یہ ممکن ہے۔ کہ ج چ ب کا کرایہ ا د ب کے برابر ہو یا اس سے بھی زیادہ۔

فرض کرو۔ الف سے چ تک سڑک ہے جس پر لاریاں چلتی ہیں۔ مگر ا ج اور ج اور چ کے درمیان لاریاں نہیں چلتیں۔ ریلوے کو ا ۔ چ کا کرایہ گھٹانا پڑیگا۔ مگر ممکن ہے۔ کہ ا ج کا کرایہ ا چ کے برابر لیا جائے۔ حالانکہ فاصلہ کم ہے۔

فصل ۱۴

بین القوامی تجارت

بین القوامی تجارت کے اصُول اندرونی تجارت کے اصُولوں سے مختلف ہیں - وجہ یہ نہیں - کہ غیر ملک اپنے ملک سے دُور واقع ہے - لاہور سے مدراس زیادہ دُور ہے اور کابل کم*

وجہ یہ ہے - کہ اگر دوسرے ملک کی صنعتوں میں نفع زیادہ ہے - تو اپنے ملک کے مزدُور دوسرے ملک میں جا کر آباد نہیں ہو سکتے - سرمایہ ایک ملک سے دوسرے ملک کو جاتا ہے - پھر بھی سرمایہ کا بڑا حصہ اپنے ہی ملک میں لگایا جاتا ہے - غیر ملک کی حکومت پر اپنا قابو نہیں - سرمایہ لگاؤ - اور حکومت ضبط کر لے یا کسی اور طرح ضائع ہو جائے - تو کون کس کا کان پکڑ سکتا ہے؟

فرض کرو - دو ملک ہیں - ہندوستان اور انگلستان - دونو میں دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں - ان چیزوں کے نام فرض کر لو ک اور گ ہیں - پیدا وار کے بڑھنے گھٹنے سے لاگت میں فرق نہیں آتا - درآمد برآمد پر محصُول نہیں

لگتے۔ اور بار برداری کا خرچ نہیں ہے ۰

پھر فرض کرو۔ کہ خاص مقدار کے سرمایہ اور محنت کے خرچ سے انگلستان میں ۱۰ک یا ۲۰گ پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہندوستان میں ۵ک یا ۱۰گ۔ ک اور گ کی لاگت کی نسبت دونوں ملکوں میں برابر ہے $\frac{2}{1}$۔ یعنی دونوں ملکوں میں ۲گ برابر ایک ک۔ اس صورت میں تجارت شروع نہیں ہوگی۔ کیوں ؟

فرض کرو انگلستان میں دُگنی مقدار کے سرمایہ اور محنت سے ۴۰گ پیدا کئے گئے۔ اور ہندوستان میں ۱۰ک۔ اگر ہم ۵ک انگلستان سے گ خریدنے کے لئے بھیجیں۔ تو زیادہ سے زیادہ بدلے میں ہمیں ۱۰گ ملیں گے ۵گ کے بدلے میں ۱۰گ ہم خود پیدا کر سکتے ہیں۔ انگلستان سے کیوں منگائیں ۰

پھر فرض کرو۔ خاص مقدار سرمایہ اور محنت کے خرچ سے انگلستان میں ۱۰ک یا ۲۰گ پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہندوستان میں ۱۰ک یا ۱۵گ۔ ک اور گ کی لاگت کی نسبت انگلستان میں $\frac{2}{1}$ ہوئی۔ اور ہندوستان میں $\frac{3}{2}$۔ نسبتوں میں فرق ہے۔ تجارت شروع ہو جائے گی۔ اور دونوں ملک فائدہ اٹھائیں گے ۰

انگلستان میں دُگنی مقدار کے سرمایہ اور محنت کے خرچ سے ۴۰گ پیدا ہوتے۔ اور ہندوستان میں ۲۰ک

اگر دونوں ملک الگ الگ دونوں چیزیں پیدا کریں۔ تو کُل پیداوار ۲۰ک اور ۳۵گ ہوگی۔ ۵گ کا پیداوار میں اضافہ اس وجہ سے ہوا۔ کہ کام بٹ گیا۔ انگلستان نے وہ چیز پیدا کی۔ جو وہ ہندوستان کے مقابلے میں زیادہ آسانی سے پیدا کر سکتا ہے۔ یعنی گ۔ انگلستان کے مقابلے میں ک پیدا کرنے میں ہندوستان گھاٹے میں نہیں +

۲۰ک میں سے ۱۰ک ہم نے گ خریدنے کے لئے انگلستان بھیجے۔ کتنے گ ملیں گے۔ ظاہر ہے۔ کہ انگلستان ۲۰گ سے زیادہ نہیں دے گا۔ اور ہم ۱۵گ سے کم لینے پر راضی نہیں ہونگے۔ شرح تبادلہ ۱۵ اور ۲۰گ کے درمیان ہوگی +

فرض کرو ۱۰ک = ۱۷گ کی شرح دونوں نے منظور کر لی۔ دُگنی مقدار کا سرمایہ اور محنت خرچ کر کے ہندوستان نے ۱۰ک اور ۱۷گ حاصل کئے۔ اور انگلستان نے ۱۰ک اور ۲۳گ۔ ۲گ کا ہندوستان کو فائدہ ہوا۔ اور ۳گ کا انگلستان کو +

اس مثال سے مفصلہ ذیل اہم نتیجے نکلے :۔

اوّل۔ دو ملکوں کے درمیان تجارت کا مستقل سلسلہ اس وقت قائم ہوتا ہے۔ جب دو چیزوں کے درمیان لاگتوں کی نسبت میں فرق ہو +

دوم۔ شرح تجارت نسبتوں کے فرق کے درمیان رہیگی +

اُوپر کی مثال میں ہم قیمتوں کو بحث میں نہیں لائے اب فرض کرو۔ گندم کی لاگت ہندوستان میں ۴ روپے من ہے۔اور ایک تھان کپڑے کی لاگت ۸ روپے۔ انگلستان میں گندم کی لاگت ۲ روپے من اور تھان کپڑے کی چار روپے۔ لاگتوں کی نسبت دونوں ملکوں میں ½ ہے۔ دیکھو کیا ہوگا +

دونوں چیزیں انگلستان سے ہندوستان آئیں گی۔ کیونکہ دونوں سستی ہیں۔ مال کی قیمت ہم روپوں میں دینگے۔ یہ روپے انگلستان میں کار و بار میں برتے جائیں گے۔ اور وہاں قیمتیں بڑھنے لگیں گی۔ کار و باری روپے کی مقدار گھٹنے کی وجہ سے ہندوستان میں دونوں چیزوں کی قیمتیں گرینگی۔ حتیٰ کہ دونوں ملکوں میں گندم ۳ روپے من اور تھان ۶ روپے کو ملیگا۔ تجارت ختم ہوئی +

پھر فرض کرو۔ کہ انگلستان میں من بھر گندم کی لاگت ایک روپیہ ہے۔ اور کپڑے کے تھان کی بھی یہی لاگت ہے۔ ہندوستان میں من بھر گندم کی لاگت ۵ روپے اور تھان کی ۱۰ روپے۔ پہلے کی طرح دونوں چیزیں ہم انگلستان سے منگائینگے۔ ہندوستان سے روپے نکلیں گے۔ یہاں قیمتیں گرینگی۔ اور انگلستان میں بڑھیں گی۔ پہلے گندم کی قیمت دونوں ملکوں میں برابر ہو جائے گی۔ ۲½ روپے

من ۔ مگر تھان کی لاگت ہندوستان میں اب بھی انگلستان سے زیادہ ہوگی ۔ کیونکہ فرق ایک روپے اور دس روپے کا تھا ۔ فرض کرو ۔ انگلستان میں ۲½ روپے ہے اور ہندوستان میں ۵ روپے ۔ انگلستان سے کپڑے کی برآمد جاری رہیگی ۔ نتیجہ یہ ہوگا ۔ کہ گندم کی قیمت ہندوستان میں ۲ روپے ہو جائے گی ۔ اور انگلستان میں ۳ روپے ۔ مگر کپڑے کے تھان کی قیمت اب بھی انگلستان میں مقابلتاً کم ہوگی ۔ ہندوستان میں چار روپے اور انگلستان میں ۳ روپے ۔ مستقل تجارت کا سلسلہ قائم ہوگا ۔ ہم گندم کے بدلے میں انگلستان سے کپڑا خریدا کرینگے +

اس مثال میں ہم نے فرض کیا ۔ کہ شروع شروع میں دونوں چیزوں کی لاگت انگلستان میں ہندوستان کے مقابلے میں کم ہے ۔ مگر پھر بھی انگلستان کو ہندوستان سے گندم منگانے میں فائدہ رہے گا ۔ یہ اس وجہ سے کہ گندم کے مقابلے میں کپڑا بنانے میں انگلستان کو زیادہ سہولیت ہے +

کمپنی کا مالک خود چٹھیاں نقل نہیں کرتا ۔ اگر خود نقل کرے ۔ تو نقل میں غلطیاں نہ ہونگی ۔ جو کلرک کر دیتے ہیں ۔ مگر اور کام بہتیرے ہیں ۔ جو کمپنی کے مالک کو کرنے پڑتے ہیں ۔ جو کلرکوں کے حوالے نہیں کئے جا سکتے ۔ چھوٹے کام مالک اوروں سے کراتا ہے ۔ اور

ذمہ واری کے کام خود سنبھالتا ہے ÷

مَیں خود اپنے کمروں کی صفائی کروں۔ تو نوکروں سے زیادہ احتیاط سے کرونگا۔ کتابیں نہیں پھاڑونگا۔ کام کے کاغذ نہیں پھینک دونگا۔ مگر اقتصادیات بڑھانے میں نوکر میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے نوکر مکان کی صفائی کرتے ہیں۔ روٹی بنا کر کھلاتے ہیں۔ اور مَیں کالج میں پڑھاتا ہوں ÷

بڑے ڈاکٹر نسخے لکھتے ہیں۔ دوائیاں نہیں بیچتے۔ اور ہزاروں مثالیں دی جا سکتی ہیں ÷

ہم پھر اُوپر والی مثال کو لیتے ہیں۔ ہندوستان سے برآمد گندم کی ہے۔ اور ہندوستان میں درآمد کپڑے کی۔ ہم نے فرض کیا تھا۔ کہ پَیدا وار کا پیمانہ گھٹانے بڑھانے سے لاگت فی گز یا من میں فرق نہیں آتا۔ اس فرض کو اُڑا دو۔ اور لاگت کو گھٹنے بڑھنے دو۔ تجارت کے بڑھنے سے دونوں ملکوں میں دونوں چیزیں ایک ہی بھاؤ فروخت ہونی چاہئیں۔ لازمی طور پر کپڑے اَور گندم کی قیمت دونوں ملکوں میں گھٹ بڑھ کر ایک ہو جائیگی۔ (درآمدی محصول اور بار برداری کے خرچ کو نظر انداز کرکے) کپڑے کی درآمد کے بڑھنے سے ہندوستان میں کپڑا بننا بند ہو جائیگا۔ اگر بند نہیں ہُوا ہے۔ تو وہی کارخانے کپڑا بنا سکیں گے۔ جن کی لاگت انگلستان کے کارخانوں

سے زیادہ نہیں ہے۔ انگلستان میں نہایت زرخیز زمینوں میں ہی گندم کی کاشت ہو سکے گی۔ ان زمینوں میں گندم پیدا کرنے کی لاگت ہندوستان کے برابر ہوگی۔ اگر زیادہ ہے۔ گندم انگلستان میں پیدا ہوگی ہی نہیں۔ اور ہندوستان کی قیمت پر انگلستان میں گندم بکے گی +

دونوں ملکوں میں برآمد کی قیمت درآمد کے برابر ہوگی۔ اگر ہماری درآمد زیادہ ہے۔ اور برآمد کم۔ تو انگلستان کا قرضہ سر چڑھے گا +

درآمد کی قیمت مال بھیج کر ادا کی جاتی ہے۔ کسی ملک کے پاس اتنا سونا نہیں ہے۔ کہ اس کا مال کوئی نہیں خریدے۔ اور وہ دوسرے ملکوں کا مال خریدے جائے۔ یہ بھی ناممکن ہے۔ کہ ہم اور ملکوں کے مال کا استعمال ترک کر دیں۔ اور یہ ملک ہمارا مال خریدے جائیں +

اگر عام طور پر کسی ملک کی برآمد درآمد سے زیادہ ہے۔ تو یہ ملک ضرور دوسرے ملکوں کا قرضدار ہے۔ اور قرضہ مال بھیج کر ادا کرتا ہے۔ اگر کسی ملک کی درآمد عام طور پر برآمد سے زیادہ ہے۔ تو ضرور اس ملک نے اور ملکوں کو روپیہ قرض دیا ہے۔ جس کا سود اور ملک مال بھیج کر ادا کرتے ہیں +

جو مال مفت نذر ہو۔ اسے چھوڑ کر اور قرضے کی

اصل رقم اور سود کو چھوڑ کر برآمد اور درآمد برابر ہونی چاہئیں۔ روز کے روز نہیں۔ سال بھر میں +

فرض کرو۔ میری آمدنی سو روپے ماہوار ہے۔ اور میں تنخواہ میں سے بچاتا کچھ نہیں۔ سو روپے کی رقم میرے گھر سے نکلی۔ گھر کے اندر کیا آیا۔ سو روپے کا مال۔ اگر مال کی قیمت ۱۲۰ روپے ہے۔ تو ضرور ۲۰ روپے قرضہ چڑھا۔ یا کسی نے ۲۰ روپے کا مال مفت میری نذر کیا۔ یا مجھے کسی سے ۲۰ روپے کی رقم وصول کرنی تھی۔ اور اس نے اصل رقم یا سود ادا کیا +

مگر فرض کرو۔ میں نے سینما کی سیر کی۔ اور اس طرح دو روپے خرچ ہوئے۔ تانگے کی سواری پر ۵ روپے خرچ ہوئے۔ ۷ روپے مال کی شکل میں میرے مکان میں داخل نہیں ہوئے۔ اس قیمت کی خدمات سے میں نے فائدہ اٹھایا۔ ان کو درآمد میں شامل کر دو +

اسی طرح ہر ملک کی درآمد و برآمد میں خدمات کو شامل کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً ہندوستانی طلباء ولایت میں پڑھتے ہیں۔ انگریزوں کے جہاز ہمارا مال غیر ملکوں کو پہنچاتے ہیں۔ انگریزوں کے بنک اور بیمہ کمپنیاں ہماری خدمات بجا لاتی ہیں۔ مفت نہیں +

خدمات کے ذریعے اور غیر ملکوں میں سرمایہ لگا کر

انگریز سالانہ بڑی بھاری آمدنی پیدا کرتے ہیں - اس کا اندازہ ۳۰ کروڑ پونڈ سالانہ سے زیادہ ہے ٭

کسی ملک کے قرضخواہ یا قرضدار ہونے کا دار و مدار مال کی تجارت پر ہی نہیں ہے - ہمارا ملک قرضدار ہے - اگرچہ ہر سال ہماری برآمد درآمد سے زیادہ قیمت کی ہوتی ہے - انگلستان قرضخواہ ملک ہے - اگرچہ ہر سال انگلستان کی درآمد برآمد سے زیادہ ہوتی ہے - مال کی درآمد و برآمد کے علاوہ خدمات کو بھی ترازو میں ڈالو - اور یہ بھی معلوم کرو - کہ قرضہ اور سود لینا ہے - یا دینا ٭

حکومت ہند ہر سال تقریباً ۵۲ کروڑ روپے حکومت برطانیہ کو ادا کرتی ہے - یہ رقم خانگی اخراجات کی ہے - یعنی حکومت ہند کے برطانیہ میں اخراجات - اس میں سود کی رقم فوجی اور غیر فوجی پنشنیں اور دیگر اخراجات شامل ہیں - ظاہر ہے - کہ ہر سال ہمارے مال کی برآمد درآمد سے کم از کم ۵۲ کروڑ روپے زیادہ ہونی چاہیئے - ورنہ سونا بھیج کر قرضہ ادا کرنا پڑے گا - جب سونا ختم ہو جائے گا - تو دیوالہ نکلنا ضروری ہے - یا قرضہ اور سر چڑھے گا ٭

ایک ملک دوسرے ملک کو قرضہ کس طرح دیتا ہے ؟ فرض کرو - ہم نے انگلستان سے ۵۰ کروڑ روپیہ

قرض مانگا۔ قرض سونے کی شکل میں نہیں ملیگا۔ اتنا فالتو سونا قرض دینے کے لئے کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ شرط یہ ہوگی۔ کہ تقریباً اس قیمت کا مال برطانیہ سے خریدا جائے۔ ہم نے قرض ریلیں بنانے یا کارخانے چلانے کے واسطے لیا ہے۔ قرضہ ریلوں کے انجن گاڑیاں۔ کارخانوں کی کلوں کی شکل میں ملے گا۔ اور سُود ہم کچا مال بھیج کر سال بسال ادا کرینگے *

فصل ۱۵

نظامِ زر

پیسے کی دُنیا میں قدر ہے۔ نظیؔر اکبر آبادی وجہ بیان کرتے ہیں :-

پیسے نے جس مکاں میں بچھایا ہے اپنا جال
پھنستے ہیں اس مکاں میں فرشتوں کے پر و بال
پیسے کے آگے کیا ہیں یہ محبوب خوش جمال
پیسہ پری کو لائے پرستان سے نکال
پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسوں کی بدولت دال روٹی نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے پیسوں کا عشق کرنا چاہیئے:۔

پچھ پیسوں کے جو عشق میں دل کو لگاؤ گے
تو پیٹ بھر کے کھاؤ گے کپڑے بناؤ گے
طوطی کو پال کر کے حق اللہ پڑھاؤ گے
ناحق کو سر کھپاؤ گے کوڑی نہ پاؤ گے
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

نظیر نے کوڑی کے بیان میں بھی مسدّس لکھا ہے۔ جس کا لبِ لباب یہ ہے:۔

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

بیانِ تلاش زر کی تمہید نظیر نے اس طرح باندھی:۔

کتنے تو زر کو نقش طلسمات کہتے ہیں
اور کتنے زر کو کشف و کرامات کہتے ہیں
کتنے خدا کی عین عنایات کہتے ہیں
کتنے اسی کو قاضی الحاجات کہتے ہیں
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

زر کو نقش طلسمات اور کشف و کرامات کہو یا نہ کہو۔ مگر زر قاضی الحاجات ضرور ہے۔ زر سے روٹی دال

کا بندوبست ہوتا ہے۔ زر ہو۔ تو سب کچھ ہے۔ ورنہ بقول شاعر کوڑی کے تین تین ہیں +

اصل میں لوگوں کو زر کی ضرورت نہیں۔ضرورت ان چیزوں کی ہے۔ جو زر کے عوض میں ملتی ہیں۔ روپے پیسوں میں نہ بھوک مٹانے نہ پیاس بجھانے کی طاقت ہے۔مگر بھوک پیاس کے علاج کی تدبیر زر ہے۔ زر خرید و فروخت کا آلہ ہے +

یہ اصول اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔کہ زر میں خود کوئی کرامات نہیں۔ کاغذ کا ہزار روپے کا نوٹ زر ہے۔ اور مبارک ہیں وہ لوگ جن کے پاس سو پچاس ہزار ہزار کے نوٹ ہیں۔ مگر حکومت بدل جائے اور نئی حکومت ان نوٹوں کی قدر نہ کرے۔ تو ہزار روپے کا نوٹ کوڑی کام کا نہیں۔ کورا کاغذ اس سے اچھا ہے۔ لکھنے کے کام تو آ جائیگا +

ہندوستان میں سرکاری نوٹوں کا استعمال ۱۸۶۱ء میں شروع ہؤا۔ اس سے پہلے چاندی کے روپے رائج تھے۔ ۱۸۹۹ء کے بعد سوورین بھی لین دین کے کام میں آنے لگے۔ جنگ عظیم سے پہلے سوورین۔ روپے۔ تانبے کے پیسے اور نوٹ زر کا کام دیتے تھے۔ جنگ کے دوران میں نکل کے سکّے جاری ہوئے۔ اور نوٹوں کی کثرت ہو گئی +

مسلمانی زمانے میں نوٹوں کا رواج نہ تھا۔ سونے۔ چاندی اور تانبے کے سکّے چلتے تھے۔ آئین اکبری میں لکھا ہے :-

بیشتر خرید و فروخت ایں آباد بوم بمہر گرد و روپیہ دوام باشد

سونے اور چاندی کے سکوں اور نوٹوں میں فرق ہے۔ نوٹ سوائے زر کے اور کام کے نہیں۔ مگر سونے کی اشرفی کو گلا کر سونا بیچ سکتے ہیں۔ چاندی کے روپے کو گلانے میں نقصان ہے۔ کیونکہ ہمارے روپے کھوٹے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ۱۶ آنے کے روپے کو گلا کر ۱۶ آنے کی چاندی نہیں نکلتی۔ اسی طرح دونّیاں چونّیاں اور تانبے کے پیسے کھوٹے ہیں۔ مگر زر کسی شکل میں ہو۔ سونے کی چاندی کی یا بے قیمت کاغذ کی۔ زر زر ہے۔ یعنی آلہ خرید و فروخت ہے۔ جو بھی چیز خرید و فروخت کے کام میں آتی ہے زر ہے۔ پچھلے زمانوں میں مال مویشی زر کا کام دیتے تھے مختلف زمانوں میں مختلف ملکوں میں انواع و اقسام کی چیزوں سے زر کا کام لیا گیا ہے۔ مثلاً کھجوریں۔ چائے۔ کتاب۔ چاول۔ تمباکو۔ کیلیں۔ سوکھی ہوئی مچھلی۔ کھانڈ۔ سمور۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے کوڑیوں کا استعمال ہندوستان سے اٹھ گیا ہے۔ نظیر نے کوڑی کو شعروں میں باندھا۔ مگر آجکل کوڑیوں کو زر کون سمجھتا ہے۔ سب سے سستا اور سب سے

عمدہ زر کاغذی نوٹ ہیں۔ ان کے تیار کرنے کا خرچ کچھ نہیں۔ سونے چاندی کے سکّے جیب میں ڈالو۔ تو اوّل جیب بھاری ہو جائے۔ اور پھر چھن چھن کرتے ہیں۔ دس ہزار کا نوٹ جیب میں ڈال لو۔ نہ بوجھا اُٹھانا پڑیگا۔ نہ کسی کو کانوں کان خبر ہوگی ؎

زر کی قیمت کا گھٹنا اور بڑھنا

زر کی قیمت سے سود کے معنے لئے جاتے ہیں۔ ہمارا یہاں مطلب اور ہے ؎

چیزوں کے مہنگے ہونے سے زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ اور چیزیں سستی ہوں۔ تو زر کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ زر کی قیمت سے مُراد زر کی قوت خرید ہے ؎

خرید و فروخت کی ہزاروں چیزیں ہوتی ہیں۔ اجناس صنعتی اشیاء وغیرہ وغیرہ۔ اگر کنک کی فصل اچھی ہو اور مانگ نہ بڑھے۔ تو کنک کا بھاؤ گر جائیگا۔ یا روپے کے بدلے میں پہلے سے زیادہ کنک ملے گی ؎

یہ ضروری نہیں۔ کہ کنک کا بھاؤ گرے۔ تو اور اشیاء خوردنی اور تمام صنعتی اشیاء بھی لازمی طور پر سستی بکنے لگیں۔ لیکن ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ تمام یا تقریباً تمام اشیاء کے بھاؤ ایک ساتھ ہی گرنے یا چڑھنے لگتے ہیں۔ جنگ عظیم کے دوران میں ایک دو نہیں تمام چیزیں

گراں تھیں۔ اور پچھلے دس سالوں میں تمام نرخ کچھ زیادہ کچھ کم گرے ہیں +

جنگِ عظیم کے بعد جرمنی میں گرانی نے وہ شکل اختیار کی۔ کہ الامان۔ حکومت جرمنی کے اِن دِنوں کے خرچ خانہ داری کے انڈکس نمبر قابل غور ہیں۔خرچ خانہ داری سے مُراد کھانے پینے۔کپڑے۔روشنی اور مکان گرم کرنے کا خرچ ہے +

جولائی ۱۹۱۴ء کی قیمتیں برابر ۱۰۰ کے

فروری ۱۹۲۰ء	۸۴۷
فروری ۱۹۲۱ء	۱۱۴۷
فروری ۱۹۲۲ء	۲۴۴۹
اگست ؍	۷۷۶۵
ستمبر ؍	۱۳۳۱۹
اکتوبر ؍	۲۲۰۶۶
نومبر ؍	۴۴۶۱۰
دسمبر ؍	۶۸۵۰۶
جنوری ۱۹۲۳ء	۱۱۲۰۲۷
فروری ؍	۲۶۴۳۰۰

جولائی ۱۹۱۴ء کے مقابلے میں فروری ۱۹۲۳ء میں قیمتیں ۲۶۴۳ گنی زیادہ ہو گئی تھیں۔ یا یوں سمجھو کہ اگر جولائی ۱۹۱۴ء میں خرچ خانہ داری ۱۰۰ روپے تھا۔تو فروری ۱۹۲۳ء

میں دو لاکھ ۶۴ ہزار ۳۰۰ روپے +

جب قیمتیں اس طرح بے تحاشا بڑھنے لگیں۔سمجھ لو کہ نظامِ زر میں گڑبڑ ہے۔ ان دِنوں میں جرمنی میں چاندی سونے کے سکّے نہیں چلتے تھے۔ فقط نوٹ رائج تھے۔حکومت جرمنی کا دیوالہ نکلا ہؤا تھا۔ حکومت کا ۹۹ فی صدی خرچ نوٹوں کے اجرا سے پُورا ہوتا تھا۔ اور ایک فی صدی محصُولوں سے +

فرض کرو ہندوستان میں فقط نوٹ چلتے ہیں۔اور ازراہ کرم حکومت جتنی بھی جس کے پاس نوٹوں کی دَولت ہے۔اسے دو چند کر دیتی ہے۔یعنی میرے پاس اگر ۱۰۰۰۰ کے نوٹ ہیں۔ تو مجھے ۱۰۰۰۰ اور بخش دیتی ہے۔ غرض یہ کہ نوٹوں کی کُل مقدار اگر پہلے ۴۰۰ کروڑ تھی۔تو ۸۰۰ کروڑ ہو جاتی ہے +

ایسی صُورت میں نوٹوں کی قوت خرید میں فرق آ جائیگا۔ اگر اشیاء کی پَیدا وار نہیں بڑھی ہے۔تو مانگ کے بڑھ جانے سے قیمتیں چڑھنے لگیں گی +

ایک اور آسان مثال لو۔ فرض کرو دس سوداگر ہیں۔ اور ہر ایک کے پاس ایک ایک جنس ہے اور تمہارے پاس سَو روپے ہیں۔ اِن روپوں کو تمہیں ضرور خرچ کرنا ہے۔اور ان ہی دس اجناس پر۔ تم روپیہ بچا کر نہیں لے جا سکتے۔ نہ تمہیں گڑھا کھود کر روپیہ زمین میں دفن

کرنے کی اجازت ہے۔ ایک اور شرط ہے۔ سب اجناس تمہارے نزدیک یکساں ہیں۔ دس کی دس تم خرید کروگے۔ اور ہر جنس کی قیمت دس روپے ہوگی۔ نہ زیادہ نہ کم۔ اگر تمہارے پاس ۱۰۰ روپے کی بجائے ۱۰۰۰ روپے ہوں۔ اور روپیہ خرچ کرنے کی شرائط میں فرق نہ کیا جائے۔ تو ہر جنس کی قیمت ۱۰ گنی زیادہ ہو جائیگی۔ اگر روپے آدھے رہ جائیں یعنی ۵۰۔ تو ہر جنس کی قیمت بھی آدھی رہ جائے گی +

اس مثال سے ظاہر ہے۔ کہ زر کی مقدار کا چیزوں کی قیمت سے خاص تعلق ہے۔ زر کی مقدار کو گھٹانے بڑھانے سے چیزوں کی قیمتوں میں فرق آتا ہے بشرطیکہ اشیاء کی مقدار میں فرق نہ آئے +

اگر تمہارے پاس روپے سو رہیں۔ مگر اجناس دس کی جگہ بیس ہو جائیں۔ تو ہر جنس کی قیمت آدھی ہو جائے گی وغیرہ +

اوپر کی مثال میں تم نے دس سوداگروں کو دس دس روپے دے کر ہر ایک کی جنس خرید کر لی۔ روپے تمہاری جیب میں سے نکلے اور سوداگروں کی جیب میں گئے +

فرض کرو تم ۱۰۰ روپے دے کر پہلے سوداگر کی جنس خریدو۔ اور پہلا سوداگر ۱۰۰ روپے دے کر دوسرے

سوداگر کی جنس خریدے - وغیرہ - اِس طرح ۱۰۰ روپے دسویں سوداگر کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے - ہر جنس کی قیمت ۱۰۰ روپے ہوگی - یعنی پہلے سے دس گُنی زیادہ +

یہ کِس طرح ہوُا - روپے کی مقدار پہلے جتنی رہی - مگر قیمتیں دس گُنی زیادہ کیونکر ہو گئیں +

جواب یہ ہے کہ روپے کی گردش کی رفتار پہلے سے دس گُنی ہو گئی - پہلے روپیہ ایک جیب میں سے نکلا اور ایک اَور جیب میں گیا - یعنی ایک مرتبہ روپے نے مسکن بدلا - دوسری مثال میں مسکن کی تبدیلی دس مرتبہ ہوُئی - گردش کی رفتار پہلے ایک تھی تو اب دس ہو گئی - ۱۰۰ کے ہزار روپے بن گئے - اَور قیمتیں دس گُنی بڑھ گئیں +

زر کی گردش کا خیال رکھنا ہوگا - ظاہر ہے کہ اگر ایک روپے سے ایک کے بعد دوسری دس اشیاء خریدی جائیں - تو ایک روپے نے دس روپوں کا کام کیا +

چیزوں کی قیمتیں گھٹنے بڑھنے کے ہمیں تین موٹے موٹے اصُول معلوُم ہوئے +

اوّل - اگر پیدا وار گھٹے گی یا بڑھے گی اَور مانگ میں تبدیلی نہ ہو تو قیمتیں ضرور بڑھیں گی یا گھٹیں گی +

دوم - پیدا وار یا اشیاء کی مقدار نہ بدلے - اَور زر کی مقدار بڑھ جائے - تو مانگ زیادہ ہوگی - اَور قیمتیں

بڑھیں گی۔ زر کی مقدار کم ہو جائے۔ تو قیمتیں گر جائینگی*
سوم۔ زر کی گردش کی رفتار کے گھٹنے بڑھنے سے بھی قیمتوں میں تبدیلی واقع ہوتی ہے*

یہ نہیں کہہ سکتے کہ زر کی مقدار کے دو چند ہونے پر قیمتیں ضرور اور ہر حال میں دو چند ہو جائینگی۔ پیداوار (اشیاء کی مقدار) کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اگر پیداوار گھٹ رہی ہے۔ تو قیمتیں دو چند سے بھی زیادہ ہو جائینگی۔ اگر پیداوار بڑھ رہی ہے۔ تو قیمتیں شاید ۵۰ یا ۶۰ فی صدی بڑھ کر رہ جائیں یا زیادہ یا کم۔ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ قیمتوں میں تبدیلی نہ ہو۔ یہ اس صورت میں کہ پیداوار کے بڑھنے کی رفتار زر کی مقدار کے بڑھنے کے برابر ہو۔ اور اور کوئی تبدیلی ظہور پذیر نہ ہو*

میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ کہ ۱۹۲۳ء میں جرمنی میں قیمتوں کے بے حساب بڑھنے کی وجہ نظام زر میں گڑبڑ تھی۔ ایک اور مثال لیجئے*

جنگِ عظیم کے شروع ہوتے ہی روس میں اور ملکوں کی طرح چاندی سونے کے سکّوں کی جگہ نوٹوں نے لی۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء میں بالشویکوں نے حکومت زار کا تختہ اُلٹ دیا۔ اور روس پر قابض ہو گئے۔ اس انقلاب نے روسی نظام زر کی ناگفتہ بہ حالت کر دی۔ حکومت کا خرچ محصولوں کی بجائے نوٹوں کے اجرا سے نکلنے لگا۔ اور

ماہ بماہ اور سال بہ سال نوٹوں کی مقدار حیرت انگیز رفتار سے بڑھنے لگی۔ ذیل کے نقشے میں روبل نوٹوں کی مقدار دکھائی ہے :-

یکم نومبر ۱۹۱۷ء	۲۲۴۴ کروڑ
یکم فروری ۱۹۱۸ء	۲۷۳۱ "
" " ۱۹۱۹ء	۶۰۷۶ "
" " ۱۹۲۰ء	۲۲۵۰۱ "
" " ۱۹۲۱ء	۱۱۶۸۵۹ "
یکم جولائی ۱۹۲۱ء	۲۳۴۶۱۳ "

چار سال سے کم کے عرصے میں نوٹوں کی تعداد ۱۰۰ گنی سے زیادہ ہو گئی۔ نوٹوں پر بٹہ لگنے لگا۔ اور جوں جوں حکومت کا اعتبار لوگوں کے دلوں سے اُٹھتا گیا۔ یا حکومت کی مالی حالت بگڑتی گئی۔ نوٹوں کی قیمت گھٹتی گئی۔ یکم جولائی ۱۹۲۱ء کو ۲۳۴۶۱۳۰۰۰۰۰۰۰ روبل نوٹوں کی قوت خرید ۳ کروڑ روبل کے برابر تھی۔ یا روبل کی قوت خرید گھٹ کر $\frac{1}{78204}$ حصّہ رہ گئی تھی۔ اور تعجّب کی بات یہ ہے۔ کہ قیمتوں کے بڑھنے کی رفتار نوٹوں کے بڑھنے کی رفتار سے زیادہ تیز تھی۔ یہ ذیل کے نقشے سے ظاہر ہے :-

(دیکھو نقشہ صفحہ ۱۳۴)

قیمتوں کے بڑھنے کی رفتار فی صدی		نوٹوں کے بڑھنے کی رفتار فی صدی
۱۹۱۸ء پہلی چھ ماہی	۳۲۳	۶۰
" دوسری "	۸۴	۴۰
۱۹۱۹ء پہلی "	۳۰۰	۶۴
" دوسری "	۲۶۹	۱۲۵
۱۹۲۰ء پہلی "	۲۳۷	۱۲۷
" دوسری "	۱۰۶	۱۲۸
۱۹۲۱ء پہلی "	۳۸۰	۱۰۱

نوٹوں پر زبردست بٹہ لگنے کی وجہ سے نوٹوں کی گردش کی رفتار بہت تیز ہو گئی تھی - اس نے نوٹوں کی تعداد میں گویا اور اضافہ کر دیا *

فرض کرو ہمارے نوٹوں پر زبردست بٹہ لگنے لگے - حکومت کی مالی حالت روز بروز بدتر ہوتی جائے - اور ہمارے دلوں سے حکومت کا اعتبار اٹھ جائے - نتیجہ یہ ہوگا - کہ سونے کے مقابلے میں جو صبح نوٹوں کی قیمت ہوگی - دوپہر کو اس سے کم ہوگی - اور شام کو اس سے کم - نوٹ بلائے جان ہو جائینگے - اور ہر ایک کی کوشش ہوگی - کہ نوٹوں کے بدلے سونا چاندی یا جنس ہی لے کر رکھ لے - منڈیوں اور بازاروں میں ہر لمحہ وہی نوٹ ایک کی جیب سے نکل کر دوسرے کی

جیب میں جائیں گے - یا یُوں کہو - کہ ہمیشہ گردش میں رہیں گے - قیمتیں تیزی کے ساتھ بڑھنے لگیں گی۔قیمتوں کے بڑھنے کی ایک وجہ نوٹوں کی تعداد میں اضافہ اَور دوسری ان کی گردش کی رفتار میں تیزی - جب یہ دو صُورتیں پیدا ہو جائیں - تو قیمتوں کے بڑھنے کی رفتار کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا - اَور نہ اس رفتار کا نوٹوں کی تعداد کے بڑھنے سے کوئی تعلق رہتا ہے ۔

مَیں نے اُوپر کہا ہے - کہ کاغذ بہترین زر ہے - مگر نوٹوں کے اجرا میں حکومت کو کمال ہوشیاری اَور دیانت داری سے کام لینا چاہیئے - فرض کرو ہمارے کاروبار کے لئے ۶۰۰ کروڑ چاندی کے روپے کافی ووافی ہیں - مگر ان روپوں کی جگہ لینے کے لئے حکومت نے نوٹ ۶۰۰ کروڑ روپے سے زیادہ کے جاری کر دیئے - اَور پھر جب حکومت کو ضرورت پڑی محصُول بڑھانے کی بجائے نوٹ اَور جاری کر دئے - نوٹوں کی تعداد بڑھتی جائے گی - آہستہ آہستہ چیزوں کی قیمتیں بڑھنی شروع ہونگی - اور سب سے پہلے سونے کی قیمت - یعنی نوٹوں پر بٹہ لگنا شروع ہوگا - جُوں جُوں نوٹوں کی تعداد زیادہ ہوگی اشیاء کے مقابلے میں اُن کی قیمت گرتی جائیگی - یا ان کی قوت خرید کم ہوتی جائے گی - سونے یا چاندی کے سکّوں کی قیمت سونے یا چاندی کی قیمت سے جو

ان میں سے کسی حالت میں کم نہیں ہو سکتی - مگر نوٹ جیسے جرمنی - پولینڈ - رُوس اور آسٹریا میں ہوا - گرتے گرتے ردّی کے برابر ہو جاتے ہیں +

زر کی بہتات سے تمام قیمتوں کے چڑھ جانے کو انگریزی میں INFLATION کہتے ہیں - کہ دو کہ زر کا غبارہ نوٹوں کی ہوا بھرنے سے پھول گیا - جب غبارہ پچکے تو اس کا نام DEFLATION ہے - اگر غبارے میں اتنی ہوا بھر دی ہے - کہ اس میں سما نہ سکے - تو غبارہ پھٹ جائے گا - ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۱ء تک رُوس میں اور ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۴ء تک جرمنی میں نوٹوں کی وہ کثرت رہی - کہ تجارت کا ستیاناس مل گیا - اور اقتصادی نظام درہم برہم ہو گیا +

چیزوں کی قیمتوں کے ساتھ ساتھ مزدوری اور تنخواہیں بھی گھٹتی بڑھتی ہیں - اگر قیمتیں ۱۰۰ گُنی بڑھ جائیں - اور ہر نوکری پیشہ شخص کی تنخواہ میں بھی ۱۰۰ گُنا اضافہ ہو جائے - تو نہ کسی کو نفع ہوا نہ نقصان - مگر دیکھنے میں آیا ہے - کہ مزدوری اور تنخواہوں کے بڑھنے کی رفتار قیمتوں کے مقابلے میں اکثر کم ہوتی ہے - خاص کر جب حکومت کا اعتبار اُٹھ جانے سے نوٹوں کی بے قدری ہونے لگتی ہے - نوکری پیشہ لوگ بھوکے مرنے لگتے ہیں - ملک میں بے چینی پھیل جاتی ہے - آئے دن

ہڑتالیں - بلوے اور فساد ہوتے ہیں - یہاں تک کہ انقلاب کا ڈر ہوتا ہے ÷

نوٹوں کی بے حساب قیمت کے گرنے سے کفایت شعاروں کی برسوں کی محنت خاک میں مل جاتی ہے۔ فرض کرو میں نے برسوں کی محنت سے ایک لاکھ روپیہ جمع کیا - روپیہ بنک میں جمع ہے۔ پھر جنگ چھڑ جانے یا حکومت کے اخراجات بڑھ جانے کے باعث نوٹوں کا دَور دَورہ شروع ہؤا - اور سو روپے کا نوٹ دو پیسے کا رہ گیا - میری لاکھ روپے کی بنک میں امانت ۴۳ روپے ۴ آنے کی رہ گئی ÷

اسے مبالغہ نہ سمجھو - جرمنی میں زر کا غبارہ جب پھولنے کے بعد پٹکا تو ایک بلین کاغذی مارک ایک سونے کے مارک کے برابر مانے گئے - ایک بلین ۱۰۰۰۰ کروڑ کا ہوتا ہے (۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰) یعنی ۱۰۰۰۰ کروڑ کاغذی مارک کی قیمت ایک سونے کا مارک ٹھیری - ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء سے پہلے ایک پونڈ کے ۲۰،۴۳ سونے کے مارک آتے تھے۔ سونے کا مارک تقریباً ۱۱ آنے کا تھا - آج کل تقریباً ایک روپے کا ہے ÷

فصل ۱۶

سونے کا نظام

جنگِ عظیم سے پہلے بھی برطانیہ میں نوٹ رائج تھے۔ مگر بنک او انگلینڈ ان کے عوض میں سوورین دیتا تھا۔ سونے کی ٹکسال کھلی ہوئی تھی۔ جو چاہتا سونا لے جاتا۔ اور اس کے سکّے یعنی سوورین بنوا لیتا۔ عام طور پر لوگ بنک او انگلینڈ کے ہاتھ سونا بیچ کر سوورین لے لیتے تھے۔ ٹکسال سے ایک اونس سونے کے ۳ پونڈ ۱۷ شلنگ اور ½۱۰ پنس ملتے تھے۔ بنک او انگلینڈ ۳ پونڈ ۱۷ شلنگ اور ۹ پنس دیتا تھا۔ کیونکہ بنک سے فوراً سوورین مل جاتے تھے۔ اور ٹکسال میں سکّے بنوانے میں وقت لگتا تھا۔ اس لئے لوگ ½۱ پنس فی اونس کم پر بنک کے ہاتھ سونا بیچ دیتے تھے۔ اس طرح کے نظام زر میں اگر کبھی زر کی کمی محسوس ہو۔ تو لوگ سونا دے کر سکّے لے لیں گے۔ اور زر کی مقدار بڑھ جائے گی۔ اگر زر کی مقدار ضرورت سے زیادہ ہو تو لوگ سکّوں کو گلا کر پھر ان کا سونا بنا لینگے۔ اور زر کی مقدار

کم ہو جائے گی +

نوٹوں کے لئے سوورین دینے کے لئے بنک او انگلینڈ کے پاس ہمیشہ کافی خزانہ رہتا تھا۔ اور بنک کے نوٹوں کی برطانیہ ہی میں نہیں سارے یورپ میں قدر تھی +

بین الاقوامی تجارت کا کام ہنڈیوں سے چلتا ہے۔ مگر درآمد زیادہ ہے۔ اور برآمد کم تو سونا باہر بھیجنا پڑیگا۔ جنگ عظیم سے پہلے لنڈن سونے کی بڑی بھاری منڈی تھی۔ نوٹوں کے بدلے میں بلا دقّت بنک او انگلینڈ سے سوورین مل جاتے تھے۔ سونا بلا روک ٹوک انگلینڈ میں آتا تھا۔ اور انگلینڈ سے باہر جاتا تھا +

قبل از جنگ برطانوی نظام زر کے متعلق یہ تین باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اوّل سونے کی بلا روک ٹوک درآمد و برآمد۔ دوم سوورین کا کار و بار میں استعمال سوم بنک او انگلینڈ کا ۹ — ۱۷ — ۳ پونڈ فی اونس کے بھاؤ سونا خریدنا +

جنگ شروع ہوتے ہی یہ نظام زر ٹوٹ گیا۔ ۱۹۲۵ء میں انگلینڈ میں پھر سونے کا نظام قائم ہوا۔ مگر پہلے نظام سے فرق یہ تھا۔ کہ سوورین کا کار و بار میں استعمال بند ہو گیا۔ اور نوٹوں کے بدلے سوورین ملنے بھی بند ہو گئے۔ مگر نوٹوں کے عوض میں بنک سونے کی سلاخیں دینے لگا۔ شرط یہ تھی۔ کہ نوٹ دے کر کم از کم

۴۰۰ اونس کی سلاخیں خریدو ۔

سونے کی سلاخیں زر کے طور پر استعمال نہیں ہو سکتیں۔ سونا باہر بھیجنے کے کام آتی ہیں - ۴۰۰ اونس سونا خریدنے کی شرط کے معنی بھی یہی تھے کہ لوگ سونا خریدیں تو باہر بھیجنے کے لئے ۔

۱۹۲۵ء والے سونے کے نظام میں بھی بلا روک ٹوک سونے کی درآمد و برآمد کا انتظام تھا۔ مگر سونے کے سکّے اُڑ گئے ۔

یہ ضروری نہیں کہ سونے کے نظام میں سونے کے سکّے ضرور استعمال ہوں۔ ۱۸۹۳ء سے پہلے ہمارا نظام زر چاندی کا تھا - چاندی کی ٹکسال کھُلی ہوئی تھی۔ اور روپے میں پوُری قیمت کی چاندی تھی - ۱۸۹۳ء میں چاندی کی ٹکسال بند کر دی گئی ۔ اور ہندوستان میں سونے کا نظام قائم کیا گیا - ۱۵ روپوں کی قیمت ایک سوورین ٹھیری اور ایک روپے کی ۷،۵۳۴۴ گرین خالص سونا - مگر سوورین لین دین کے کام میں نہیں آتے تھے ۔ اور حقیقت میں ایک روپے میں ۷،۵۳۴۴ گرین خالص سونے کی قیمت کی چاندی نہ تھی۔ مطلب فقط یہ تھا - کہ غیر ملکوں کو جب سونا بھیجنا پڑے۔ تو روپے کے عوض میں ۱۶ پنس یا ۱۵ روپے کے عوض میں ایک سوورین مل جائے - اس کا ذمہ حکومت

ہند نے اپنے اُوپر لیا تھا +

۱۸۹۹ء میں نیا قانون بنا۔ جس کی رُو سے کاروبار میں سوورین کا استعمال جائز قرار دیا گیا۔ مگر پھر بھی ہندوستان میں سونے کی ٹکسال نہیں کھُلی۔ جنگ عظیم سے پہلے ۱۴ - ۱۵ سالوں میں سوورین سے لین دین کا کام لیا جاتا تھا۔ مگر چاندی کے روپوں کے مقابلے میں بہت کم +

۱۹۲۰ء میں روپے کی قیمت ۲ سونے کے شلنگ مقرر ہوئی۔ اور ۱۹۲۷ء میں ۱۸ سونے کے پنس۔ یعنی ۸۶۴۷۵۱۲ گرین خالص سونا +

جب سونے کے مقابلے میں چاندی کے روپے کی قیمت مقرر کر دی گئی۔ تو نظامِ زر چاندی کا نہیں سونے کا ہو گیا۔ یہ حکومت کا فرض ٹھہرا کہ شرح مقررہ پر روپے کے بدلے سونا مہیّا کرے۔ چاندی کی قیمت گھٹے بڑھے۔ اس سے سروکار نہیں رہا +

غیر مُلکی ہُنڈی کی قیمت

فرض کرو انگلینڈ اور امریکہ میں سونے کا نظام قائم ہے۔ اور دونوں ملکوں میں سونے کے سِکّے بھی رائج ہیں۔ مگر مختلف۔ انگلینڈ میں سوورین اور امریکہ میں ڈالر۔ آپس میں لین دین کس طرح ہوگا +

جنگ عظیم سے پہلے ایک سوورین ۴٫۸۶۶ امریکہ کے ڈالروں کے برابر تھا۔ یہ اس طرح :۔

ایک سوورین میں قانون کی رُو سے ۱۲۳٫۲۷۴ گرین سونا ہوتا ہے۔ جس میں $\frac{1}{12}$ حصّہ کھوٹ ملا ہوتا ہے۔ اس حساب سے سوورین میں ۱۱۳٫۰۰ گرین خالص سونا ہؤا۔ امریکن قانون کی رُو سے ایک ڈالر میں ۲۵٫۸ گرین سونا ہوتا ہے۔ جس میں $\frac{1}{10}$ حصّہ کھوٹ ملا ہوتا ہے۔ یعنی ۲۳٫۲۲ گرین خالص سونا۔ ۱۱۳٫۰۰ کو ۲۳٫۲۲ سے تقسیم کرنے سے معلوم ہؤا۔ کہ ایک سوورین ۴٫۸۶۶ ڈالر کے برابر ہے۔

جب تک انگلینڈ اور امریکہ کے قوانین زر نہ بدلیں۔ اور ڈالر اور سوورین کے سونے میں کمی بیشی نہ کی جائے۔ ڈالر اور سوورین میں یہ رشتہ قائم رہیگا۔

ایک سوورین = ۴٫۸۶۶ ڈالر

۱۸۹۳ء سے پہلے ہمارے روپے کی سونے کے مقابلے میں مقررہ قیمت کوئی نہ تھی۔ ہو بھی کیونکر سکتی تھی۔ سونے کے سکّے کا سونے کے سکّے سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور دونوں کے درمیان مستقل رشتہ قائم کر سکتے ہیں۔ سونے اور چاندی کے سکّوں کے درمیان رشتہ معلوم ہو سکتا ہے۔ مگر اس کا دارو مدار چاندی اور سونے کی قیمت پر ہے۔ چاندی یا سونے کے مہنگے یا سستے

ہونے پر یہ رشتہ بدل جائے گا۔

۱۸۷۲ء میں چاندی کی قیمت ½ ۶۰ پنس فی اونس تھی۔ اور ہمارا روپیہ جس میں ۱۶۵ گرین خالص چاندی ہوتی ہے ۱۲۵ء۲۳ پنس سونے کے برابر تھا۔ ۱۸۹۳ء میں چاندی کی قیمت ۴۰ پنس سے ذرا کم تھی۔ اور روپے کے کُل ۱۴ء۹۸۴ پنس ملتے تھے۔ ۱۸۷۲ء کے بعد جُوں جُوں چاندی کی قیمت گرتی گئی روپے کی قیمت بھی کم ہوتی گئی۔ اُوپر ذکر آیا ہے۔ کہ ۱۸۹۳ء میں حکومت ہند نے روپے کی ۱۶ پنس قیمت مقرر کی۔ اور روپے کی قیمت کا چاندی کی قیمت سے کوئی تعلق نہ رہا۔ چُونکہ نیا نظام زر قائم ہُوا تھا شروع میں دِقّت پیش آئی۔ اَور پانچ سال تک حکومت ہند کی سر توڑ کوششوں کے باوجُود روپے کی ۱۶ پنس قیمت نہ ہوئی۔ مگر ۱۸۹۹ء سے ۱۹۱۴ء تک روپے کے ۱۶ پنس ملتے رہے اگرچہ بعض سالوں میں چاندی کی قیمت بہت کم ہو گئی تھی۔ مثلاً ۱۹۱۰ء میں چاندی کی قیمت ۱۱/۱۶ ۲۳ پنس تھی۔ اس حساب سے روپے میں چاندی ۹ پنس سے کم کی تھی۔ مگر روپے کے بدلے میں پھر بھی ۱۶ پنس ملتے رہے۔

یہاں روپے کی قیمت سے انگریزی ہُنڈی کی قیمت مُراد ہے۔ ۱۸۹۳ء سے پہلے انگریزی ہنڈی کا بھاؤ چاندی

سونے کے بھاؤ کے مطابق بدلتا رہتا تھا۔ جب سونے کا نظام عمل میں آیا۔ تو انگریزی ہُنڈی حکومت ہند کی مقرر کردہ قیمت پر فروخت ہونے لگی +

ہُنڈی ایک کاغذ کا پرچہ ہوتا ہے۔ جسے دکھا کر پرچے میں لکھی ہوئی رقم مل جاتی ہے۔ فرض کرو میں نے لاہور میں سوداگر مل سے رام چند کے نام جس کی دہلی میں دوکان ہے۔ ۵۰۰ روپے کی ہنڈی خریدی۔ ہنڈی کا روپیہ رام چند سے مل جائیگا۔ چک ایک درشنی ہُنڈی ہے۔ جس کے درشن کرتے ہی بنک کا مینجر روپیہ دے دیتا ہے۔ اگر چک میں کوئی نقص نہ ہو۔ اور مینجر روپیہ دینے میں لیت و لعل کرے۔ تو سمجھو۔ کہ بنک کا دیوالہ نکل گیا۔ میعادی ہنڈی کے روپے میعاد ختم ہونے پر ملتے ہیں +

غیر مُلکی ہُنڈی کا روپیہ دوسرے ملک میں ملتا ہے۔ غیر مُلکی ہُنڈیوں کے بیچنے والے وہ سوداگر ہوتے ہیں۔ جنہوں نے مال باہر بھیجا ہے۔ اور جن کا روپیہ غیر ملکوں میں پڑا ہوُا ہے۔ خریدنے والے وہ لوگ جنہوں نے باہر سے مال منگایا ہے۔ اور جنہیں اس مال کی قیمت ادا کرنی ہے +

فرض کرو جون بُل نامی ایک انگریز نے سیم امریکن کے ہاتھ ۴۸۶۶ ڈالر کا مال بیچا۔ اور ایک اور انگریز

سمتھ نے ایک امریکن نامی ٹاڈ سے ایک ہزار پونڈ کی کپاس خریدی۔ سمتھ کو ٹاڈ کے ۱۰۰۰ پونڈ دینے ہیں۔ اور جون بل کو سیم سے ۱۰۰۰ پونڈ لینے ہیں۔ جان بل کے ۱۰۰۰ پونڈ امریکہ میں پڑے ہیں۔ مگر ڈالروں کی شکل میں جان بل سیم کے نام ۴۸۶۶ ڈالر کی ہُنڈی بنا کر گاہک کی تلاش میں نکلے۔ اور ان کی سمتھ سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ سمتھ کو امریکن کپاس کی قیمت ادا کرنی ہے۔ سمتھ ۱۰۰۰ پونڈ دے کر جان بل کی سیم کے نام کی ہُنڈی خرید لیتا ہے۔ اور اسے ٹاڈ کے پاس بھیج دیتا ہے۔ کہ سیم کو دکھا کر قیمت وصول کر لو۔ ایک ہُنڈی سے دو قرضے ادا ہو گئے۔ ایک طرف جون بل کو سمتھ نے ۱۰۰۰ پونڈ ہُنڈی کی قیمت ادا کرنے میں دے دیئے۔ اور دوسری طرف امریکہ میں ٹاڈ کو سیم سے ہُنڈی کی قیمت ۴۸۶۶ ڈالر مل گئی۔ نہ سمتھ کو سونا بھیجنا پڑا۔ نہ سیم کو +

ہم نے فرض کیا ہے۔ کہ ۴۸۶۶ ڈالر کی ہُنڈی سمتھ نے پورے ۱۰۰۰ پونڈ دے کر جون بل سے خریدی۔ گویا ایک پونڈ کے ۴۶۸۶ ڈالر ملے۔ مگر عام طور پر ایک پونڈ کے بدلے میں ۴۶۸۳ ڈالر سے کم اور ۴۶۸۹ ڈالر سے زیادہ نہیں ملیں گے +

فرض کرو سمتھ ہنڈی نہ خریدے اور سونا خرید کر بھیج دے۔ اس کا کیا خرچ ہوگا +

انگلینڈ سے امریکہ سونا بھیجنے کا خرچ فی پونڈ ۰۳ء ڈالر یا ۳ سینٹ ہے۔ اگر سمتھ سونا بھیجے۔ تو فی پونڈ ۳ سینٹ کا خرچ اس کے ذمے پڑے گا۔ یا فی پونڈ اسے ۸۶ء۴ کی بجائے ۸۳ء۴ ڈالر پڑے۔ اگر اسے امریکن ہنڈی ۸۳ء۴ ڈالر سے کچھ بھی زیادہ سستے بھاؤ مل جائے۔ تو سونا بھیجنے کی بجائے وہ ہنڈی خرید لیگا۔ اگر ہنڈی ۸۴ء۴ یا ۸۵ء۴ کے بھاؤ ملتی ہے۔ تو ۳ سینٹ فی ڈالر کا خرچ اٹھا کر سمتھ کے لئے سونا بھیجنا حماقت کا کام ہوگا۔ ہاں اگر ہنڈی کا نرخ ۸۲ء۴ ڈالر ہے۔ تو سمتھ ہنڈی نہیں خریدے گا۔ اور سونا بھیج دیگا۔ اگر بھاؤ ۸۳ء۴ ڈالر ہے۔ تو سمتھ کی مرضی ہے۔ سونا بھیجے یا ہنڈی خرید کر بھیج دے۔ ہنڈی کا ۸۳ء۴ بھاؤ ہوتے ہی انگلینڈ سے سونا جانا شروع ہو جائیگا۔ اور اس وجہ سے ہنڈی کی قیمت ۸۳ء۴ سے کم نہیں ہوگی +

اب فرض کرو جون بل ہنڈی نہیں بیچتے۔ اپنے خرچ سے سونا امریکہ سے منگاتے ہیں۔ ۳ سینٹ فی پونڈ منگانے کا خرچ ان کے ذمے پڑیگا۔ ویسے ۸۶ء۴ ڈالر ایک پونڈ کے برابر ہیں۔ مگر سونا منگانے

کا خرچ دے کر جون بل کو ۴۸۹ء۴ ڈالر میں ایک
پونڈ پڑیگا۔ اگر امریکن ہنڈیوں کے گاہک کم ہیں۔ تو
ممکن ہے جون بل کو پونڈ کے بدلے میں ۴۸۶ء۴
سے زیادہ ڈالر دینے پڑیں۔ مگر جون بل ۴۸۹ء۴ ڈالر
سے زیادہ نہ دینگے۔ اگر ہنڈی کی قیمت ۴۸۹ء۴ ڈالر
ہے۔ تو انہیں اختیار ہے۔ کہ ان داموں ہنڈی بیچ
دیں یا اپنے خرچ سے امریکہ سے اپنا روپیہ منگا لیں۔
جب شرح ۴۸۹ء۴ ڈالر فی پونڈ ہوگی۔ امریکہ سے سونا
نکلنا شروع ہو جائیگا۔

اگر انگلینڈ میں امریکن ہنڈی کے گاہک بہت ہیں۔
اور بیچنے والے کم تو ہنڈی کی قیمت بڑھ جائے گی۔
یا ایک پونڈ کے عوض ۴۸۶ء۴ ڈالر سے کم ملیں گے۔
مگر ۴۸۳ء۴ ڈالر سے کم نہیں۔ اگر ہنڈی کے بیچنے والے
بہت ہیں۔ اور گاہک کم تو ہنڈی کی قیمت گر جائیگی۔
یا پونڈ کے عوض میں ۴۸۶ء۴ سے زیادہ ڈالر ملیں گے
مگر ۴۸۹ء۴ ڈالر سے زیادہ نہیں۔

غیر ملکی ہنڈیوں کے خریدار و بیچنے والوں کی تعداد
کا انحصار درآمد و برآمد پر ہے۔ اگر درآمد زیادہ ہے۔
تو ہنڈیوں کے خریدار بہت ہونگے اور بیچنے والے کم۔
اگر برآمد زیادہ ہے تو بیچنے والوں کی تعداد ہنڈیوں
کے گاہکوں کی نسبت زیادہ ہوگی۔

جب ہمارا روپیہ ۱۶ پنس کے برابر تھا۔ ہندوستان سے انگلینڈ سونا بھیجنے کا خرچ فی روپیہ $\frac{1}{8}$ پنس تھا۔ اور انگریزی ہنڈی کی قیمت $16\frac{1}{8}$ اور $15\frac{7}{8}$ پنس کے بیچ میں رہا کرتی تھی۔

فرض کرو تم نے ولایت سے مال منگایا اور تمہیں اس کی قیمت دینی ہے۔ خود سونا بھیجو تو فی روپیہ $\frac{1}{8}$ پنس خرچ تمہیں دینا پڑیگا۔ گویا ایک روپے کے عوض میں تمہیں $15\frac{7}{8}$ پنس ملے۔

اگر تمہارا روپیہ لنڈن میں پڑا ہے اور تم اسے اپنے خرچ پر منگاؤ تو گویا ایک روپے کے عوض میں تمہیں $16\frac{1}{8}$ پنس دینے پڑے۔ ہنڈی کا بھاؤ $15\frac{7}{8}$ ہوتے ہی ہندوستان سے سونا انگلینڈ جانے لگتا تھا۔ اور جب $16\frac{1}{8}$ پنس شرح ہوتی سونا ہندوستان میں آنے لگتا تھا۔

۱۹۲۷ء میں روپے کی قیمت ۱۸ پنس مقرر ہوئی۔ سونا بھیجنے کا خرچ تقریباً $\frac{1}{4}$ پنس ہو گیا۔ اور انگریزی ہنڈی کی قیمت کے بڑھنے گھٹنے کی نئی حدود تقریباً $18\frac{1}{4}$ پنس اور $17\frac{3}{4}$ پنس قرار پائیں۔

یہ مثالیں اس وقت کام کی ہیں جب نظام زر سونے کا ہو۔ اور ایک ملک سے دوسرے ملک کو سونا بھیجنے میں دقت نہ ہو۔

ڈالر۔ سٹرلنگ

سٹرلنگ کی وجہ تسمیہ ٹھیک معلوم نہیں۔ ممکن ہے۔ سٹرلنگ لفظ ایسٹرلنگ سے نکلا ہو۔ نارمن پادشاہوں کے زمانے میں جرمنی اور سویڈن ناروے سے جو سوداگر انگلینڈ میں تجارت کی غرض سے آتے تھے۔ ایسٹرلنگ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ یعنی مشرقی لوگ۔ ان سے لین دین میں جو سکّے استعمال ہوتے تھے ان کا نام غالباً پہلے پہل سٹرلنگ پڑا ؞

ممکن ہے سٹرلنگ کا عربی کے لفظ اِستار سے کچھ تعلق ہو۔ اِستار ایک وزن ہے۔ جو ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے ؞

جنگ عظیم سے پہلے پونڈ سٹرلنگ سونے کے سوورین کو کہتے تھے۔ انگلینڈ میں سونے کا نظام سنہ ۱۸۱۶ء میں قائم ہوا۔ اس سال سے سوورین کو پونڈ سٹرلنگ کہنے لگے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا ہے۔ سوورین میں ۱۲۳۶۲۷۴ گرین سونا ہوتا ہے۔ جس میں $\frac{1}{12}$ حصّے کھوٹ ہے ؞

مگر شروع شروع میں اور مدّت دراز تک پونڈ کے معنی ایک پونڈ چاندی کے تھے۔ جو ۵۷۶۰ گرین کے برابر ہے۔ بارھویں صدی میں اور غالباً اس سے بھی پہلے پونڈ سٹرلنگ ایک پونڈ چاندی کو کہتے تھے۔ جو ہزار

میں ۹۲۵ حصّے خالص تھی۔ اس پونڈ کو ۲۴۰ حصّوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر حصّے کو **پینی** کہتے تھے۔ ایک پونڈ چاندی میں ۲۴۰ پنی ہوئیں۔ اور ہر پنی میں ۱۰۰۰ میں سے ۹۲۵ حصّے خالص چاندی تھی ٭

اب بھی پونڈ سٹرلنگ ۲۴۰ پنی کے برابر ہے۔ اور آج تک انگلینڈ کے چاندی کے سکّوں میں خالص چاندی ۱۰۰۰ میں سے ۹۲۵ حصّے ہوتی ہے۔ مگر پونڈ سٹرلنگ کے معنی ۵۷۶۰ گرین یا پونڈ بھر چاندی کے نہیں ہیں۔ سوورین وزن میں بہت کم ہے۔ اور اس میں خالص سونا بھی کم ہے۔ پرانے چاندی کے پونڈ سٹرلنگ میں ہزار میں سے ۹۲۵ حصّے خالص چاندی تھی۔ سوورین میں ہزار میں سے ۹۱۶ ۶ حصّے خالص سونا ہے ٭

غرض یہ کہ انگلینڈ میں سونے کا نظام قائم ہونے کے بعد پونڈ سٹرلنگ سوورین کو کہنے لگے اس کا پرانے پونڈ سٹرلنگ سے فقط یہ تعلق تھا کہ یہ بھی ۲۴۰ حصّوں میں منقسم ہوا۔ اور ہر حصّے کو پنی کہا گیا ٭

جنگ عظیم سے پہلے انگلینڈ میں ایک پونڈ کے نوٹ رائج نہ تھے۔ پہلے پہل جنگ عظیم کے دوران میں ایک پونڈ کے نوٹوں کا استعمال شروع ہوا۔ ہندوستان

ہیں ایک ایک روپے کے نوٹ چلے تھے۔ مگر اب نہیں ہیں۔ انگلینڈ میں۔ پونڈ کے نوٹ اب بھی ہیں +

اوّل تو پونڈ کے نوٹ چلے۔ پھر نوٹوں کے بدلے سوورین ملنے بند ہو گئے۔ پونڈ سٹرلنگ کے اب معنے ہو گئے کاغذی پونڈ +

جب کاغذی پونڈ پر بٹہ لگنے لگا۔ تو کاغذی پونڈ اور سونے کے پونڈ یعنی سوورین میں اور بھی آسانی سے تمیز ہونے لگی۔ جوں جوں کاغذی پونڈ کی قیمت گرتی گئی سونے کے پونڈ کی قیمت بڑھتی گئی۔ اس طرح سونے اور سٹرلنگ میں فرق ہونے لگا +

جیسا ہم پہلے بتا چکے ہیں جنگ عظیم سے پہلے حکومت ہند نے انگریزی ہنڈی کی قیمت ۱۶ پنس مقرر کی تھی۔ یا ایک روپے کا ۷،۵۳۴۴ گرین خالص سونا۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں ہنڈی کی قیمت بڑھانے کی ضرورت پڑی۔ ایک تحقیقاتی کمیٹی بیٹھی اور کثرت رائے سے اس کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ انگریزی ہنڈی کی قیمت ۲ شلنگ کر دینی چاہیئے +

مگر سنہ ۱۹۲۰ء میں سٹرلنگ اور سونے کے ایک معنی نہ تھے۔ سٹرلنگ کاغذی پونڈ تھا اور اس پر بٹہ لگتا تھا۔ اس لئے کمیٹی کو سوچنا پڑا کہ ہنڈی کی قیمت ۲ شلنگ کاغذی مقرر ہو یا ۲ شلنگ سونے کے +

سونے کے ۴۲۵ سووریتوں میں ۱۰۰ اونس خالص سونا ہوتا ہے۔ مگر ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو ۱۰۰ اونس سونے کی قیمت تقریباً ۵۴۴ کاغذی پونڈ تھی اس حساب سے ایک کاغذی پونڈ ۴۵/۱۰۰ سووربن کے برابر ہوا۔ یہ کاغذی پونڈ پر ۲۲ فی صدی بٹہ ہوا۔ یا کاغذی پونڈ کے مقابلے میں سوورین کی قیمت ۲۸ فی صدی بڑھ گئی تھی۔ اسی دن امریکن ہنڈی کی قیمت ۳،۸۳ ڈالر فی پونڈ تھی۔ یعنی کاغذی پونڈ کے مقابلے میں امریکن ہنڈی کی قیمت ۲۱ فی صدی سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ (سوورین = ۴،۸۶۶ ڈالر)۔

جب انگریزی ہنڈی کی قیمت ۲ سونے کے شلنگ یا ۱۱،۳۰۰۱۶ گرین خالص سونا فی روپیہ مقرر ہوئی۔ ۲ سونے کے شلنگ کاغذی ۲ شلنگ دس پنس کے برابر تھے۔

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان دنوں میں کاغذی پونڈ یا سٹرلنگ پر کتنا بٹہ لگتا تھا۔ ڈالر یا امریکن ہنڈی کا بھاؤ دیکھنا کافی ہے۔ پونڈ کاغذی بن گیا تھا۔ مگر ڈالر جیسا پہلے سونے کا تھا ویسا ہی رہا۔ ظاہر ہے۔ کہ اگر کاغذی پونڈ کی قیمت سونے کے مقابلے میں گرے گی۔ تو ڈالر کے مقابلے میں بھی گرے گی۔

لنڈن میں امریکن ہنڈی کی قیمت

کاغذی پونڈ میں

سونے کا پونڈ = ۴٫۸۶۶ ڈالر

ایک کاغذی پونڈ یا سٹرلنگ کے کتنے ڈالر ملے

فروری ۱۹۲۰ء	۳٫۳۸۲
" ۱۹۲۱ء	۳٫۸۷۲
" ۱۹۲۲ء	۴٫۳۵۰
" ۱۹۲۳ء	۴٫۶۹۵
" ۱۹۲۴ء	۴٫۳۰۵
" ۱۹۲۵ء	۴٫۷۷۰
مارچ "	۴٫۷۸۰
اپریل "	۴٫۷۹۰
مئی "	۴٫۸۵۰
جون "	۴٫۸۶۰
جولائی "	۴٫۸۶۰
اگست "	۴٫۸۶۰

ان اعداد سے ظاہر ہے۔ کہ اپریل ۱۹۲۵ء تک کاغذی پونڈوں پر برابر بٹہ لگتا رہا۔ مگر مئی ۱۹۲۵ء میں کاغذی پونڈ کی قیمت تقریباً سوورین کے برابر ہو گئی۔

ایک ڈیڑھ سینٹ کا فرق اب بھی تھا۔ مگر اسے بٹہ نہیں کہا جا سکتا۔

جیسا اُوپر ذکر آیا ہے۔ ۱۹۲۵ء میں پھر سونے کا نظام انگلینڈ میں قائم ہوا۔ مگر نوٹوں کے بدلے سوورین ملنے بند ہو گئے۔ بنک او انگلینڈ دوبارہ سونا بیچنے لگا۔ مگر سلاخوں کی شکل میں اور اس شرط پر کہ کم از کم ۴۰۰ اونس سونا ایک وقت میں خریدا جائے جیسا اُوپر بتایا ہے۔ اس شرط کا مطلب یہ تھا کہ سونا فقط باہر بھیجنے کی غرض سے بنک سے خریدا جائے۔ سونے کا نظام از سر نو قائم ہونے کے بعد سونے اور سٹرلنگ یا کاغذی پونڈ اور سونے کے پونڈ میں جو فرق پیدا ہو گیا تھا۔ ہٹ گیا۔

مگر ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء کو پھر انگریزی نظام زر بدلا۔ حکومت برطانیہ کے حکم سے بنک او انگلینڈ نے سونا بیچنا بند کر دیا۔ کاغذی نوٹوں کا پھر سونے سے رشتہ ٹوٹ گیا۔ اور سونے کے مقابلے میں پھر ان کی قیمت گرنے لگی۔

اب ہمارے لئے یہ سوال پیدا ہوا کہ روپے کا رشتہ سونے سے قائم رکھیں یا توڑ دیں۔

۱۸۹۳ء میں انگریزی ہنڈی کی قیمت ۱۶ پنس سونا قرار پائی۔ پھر ۱۹۲۰ء میں بہت بحث مباحثے کے بعد

۲ شلنگ سونا اور ۱۹۲۷ء میں ۱۸ پنس سونا۔سر سیمول ہور کے حکم سے ۲۲ ستمبر ۱۹۳۱ء کو روپے کا سونے کے ساتھ رشتہ ٹوٹا۔ اور اس کی نئی قیمت ۱۸ پنس سٹرلنگ مقرر ہوئی +

۱۷ ستمبر ۱۹۳۱ء کو امریکن ہنڈی کی قیمت ۴۶۸۶ ڈالر فی پونڈ تھی۔ اور ۲۴ ستمبر کو ۳۶۸۸ ڈالر یعنی سونے کا نظام ٹوٹتے ہی سونے کے مقابلے میں سٹرلنگ کی قیمت ۲۰ فی صدی گر گئی۔ ۸ دسمبر ۱۹۳۱ء کو پونڈ سٹرلنگ کے ۳۶۲۶ ڈالر ملتے تھے۔ یا اس دن سٹرلنگ کی قیمت سونے کے مقابلے میں ۳۳ فی صدی سے کم تھی +

انگلینڈ کی دیکھا دیکھی اور ملکوں نے بھی سونے کے نظام کو خیر باد کہی۔ آج کل دو چار ملکوں کو چھوڑ کر کہیں بھی سونے کا نظام نہیں ہے +

انگلینڈ نے سونے کا نظام کیوں چھوڑا

غیر ملکی ہنڈی کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے کا ملک کی تجارت پر بڑا بھاری اثر پڑتا ہے +

فرض کرو ہم نے ۱۰۰۰ پونڈ کی اشیاء باہر بیچیں۔ اگر شرح ہنڈی ۲ شلنگ فی روپیہ ہے تو ۱۰۰۰ پونڈ کے ہمیں ۱۰ ہزار روپے ملیں گے۔ اگر ۱۶ پنس فی روپیہ

تو ۱۵۰۰۰ روپے اور ۱۸ پنس فی روپیہ تو ۱۳۳۳۳ روپے۔شرح زیادہ ہونے سے مال باہر بھیجنے والوں کو نقصان ضرور ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ قیمتیں بڑھا کر نقصان پُورا کر لیں +

قیمتیں بڑھانی آسان نہیں ۔ اسی لئے ۱۸ پنس شرح کی مال باہر بھیجنے والوں کی طرف سے سخت مخالفت ہوئی تھی ۔اس کے برعکس شرح بڑھنے کی وجہ سے غیر ملکوں کا مال ہندوستان میں زیادہ بکے گا +

فرض کرو لنکا شائر سے ہم نے ۱۰۰۰ پونڈ کا کپڑا خریدا ۔ ہنڈی کی قیمت ۱۸ پنس ہو تو کپڑا ہمیں ۱۳۳۳۳ روپے کا پڑا ۔ ۱۶ پنس ہو۔تو ۱۵۰۰۰ کا ۔ظاہر ہے۔ کہ ہنڈی کی قیمت زیادہ ہوگی تو درآمد بڑھے گی۔ اور چونکہ ہم باہر سے زیادہ تر صنعتی اشیاء منگاتے ہیں ۔ درآمد کے بڑھنے سے ہماری اپنی صنعت و حرفت کو نقصان پہنچے گا +

اسی طرح اگر لنڈن میں امریکن ہنڈی کی قیمت ۳ء۴۶ ڈالر فی پونڈ ہے ۔امریکن مال کی قیمت میں ۴۰ فی صدی اضافہ ہو جانے سے امریکہ کا مال انگلینڈ میں کم لگے گا ۔ انگلینڈ کی درآمد کم ہوگی ۔ مگر برآمد بڑھے گی ۔ یہ فائدے کی صورت ہے +

انگلینڈ میں ۱۹۲۵ء میں دوبارہ سونے کا نظام قائم

کرنا سخت غلطی تھی۔ انگریز مدبّروں اور بنکروں کو عزت کی چاہ نے مار دیا۔ جنگ عظیم سے پہلے لنڈن دُنیا کا مالی مرکز بن گیا تھا۔ یہ کیونکر ممکن ہے۔کہ ایک شہر دُنیا کا مالی مرکز تو ہو۔مگر جب کوئی مانگے سونا دینے سے انکار کر دے۔ ایسے مُلک کے ساہوکاروں کا اعتبار کون کریگا۔اور کون اپنا سونا ان کے پاس رکھوائیگا ٭

جون ۱۹۲۴ء میں انگلینڈ میں ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر ہوئی۔جس کے ذمے یہ کام سپرد ہؤا کہ نظام زر کی اصلاح کی تجویزیں پیش کرے۔ اپریل ۱۹۲۵ء میں کمیٹی کی رپورٹ چھپی۔اور کمیٹی کی صلاح سے حکومت برطانیہ نے بنک او انگلینڈ کو سونا باہر بھیجنے کی اجازت دے دی۔اور جو سونے کی برآمد پر قیود لگی ہوئی تھیں انہیں ہٹا دیا ٭

پچھلے چار پانچ سالوں کی سرتوڑ کوشش سے پونڈ کی قیمت ۴٫۸۶ ڈالر ہو گئی۔ پُرانا نظام پھر عمل میں آیا۔اور برطانیہ کی ناک کٹنے سے بچ گئی ٭

ناک تو کٹنے سے بچ گئی۔مگر انگریزی برآمد کی ناگفتہ بہ حالت ہو گئی ٭

پونڈ کی قیمت بڑھنے سے ایک تو درآمد بڑھی اور دوسری طرف برآمد گھٹی ٭

درآمد بڑھنے کی وجہ صاف ہے۔ جب پونڈ مہنگا ہوا غیر ملکی چیزیں سستی ہو گئیں اور زیادہ بکنے لگیں۔ یہ بھی یاد رہے۔ کہ ان دنوں میں حکومت برطانیہ درآمد پر بھاری محصول نہیں لگاتی تھی ۔

پونڈ مہنگے ہونے کی وجہ سے غیر ملکوں میں انگریزی مال مہنگا ہو گیا۔ اس کے علاوہ یورپ کے مقابلے میں انگلینڈ میں مزدوروں کو اُجرت زیادہ ملتی تھی۔ جہاں اُجرت زیادہ ہو۔ چیزوں کی لاگت بھی زیادہ ہوگی۔ جب اشیاء کی قیمتیں گرنے لگیں۔ یورپ میں مزدوری میں بھاری تخفیف ہوئی۔ اٹلی میں حکومت کے حکم سے دفعتاً مزدوری کی شرح گھٹا دی گئی۔ جرمنی میں مزدوری کے سوال پر مزدوروں اور کارخانہ داروں میں جنگ ہوئی مگر حکومت جرمنی نے بیچ میں پڑ کر سمجھوتہ کرا دیا اور مزدوری میں کافی تخفیف ہو گئی۔ انگلینڈ میں مزدور پارٹی حکمران تھی۔ حکومت کی طرف سے مزدوری گھٹانے کے لئے مزدوروں پر دباؤ نہیں پڑ سکتا تھا۔ بعض صنعتوں میں مزدوری کم ہوئی مگر عام طور پر اور ملکوں کے مقابلے میں بہت کم یا ذرا بھی نہیں ۔

انگریزی برآمد کے گھٹنے کی تیسری وجہ بھاری محصول تھے۔ جو امریکہ اور یورپ میں درآمد پر لگتے تھے۔ ہر جگہ لوگوں کی قوت خرید گھٹ جانے سے بھی انگریزی

برآمد کو نقصان پہنچا ۔

سرد بازاری نے ایک اور چوٹ لگائی۔ انگریزی ساہوکار یا بینکر۔ جہازوں کے مالک اور بیمہ کمپنیاں اجرت یا کمیشن کی صورت میں ہر سال کروڑوں روپیہ غیر ملکوں سے کھینچ کر لے جاتی تھیں۔ تجارت کی عالمگیر سرد بازاری کے باعث یہ آمدنی گھٹ گئی۔ پھر نو آبادیوں میں انگریزوں کا بہت کچھ سرمایہ لگا ہوا ہے۔ ربڑ۔ ٹین۔ تانبے اور اور اشیاء کی قیمت کے گرنے کے باعث سود وغیرہ کی آمدنی جو نو آبادیوں سے ہوتی تھی۔ ماری گئی۔ جنوبی امریکہ کی بعض ریاستوں نے انگلینڈ سے روپیہ قرض لیا تھا۔ وہ روپیہ ہضم کرکے بیٹھ گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر قسم کی آمدنی کو شامل کرکے بھی برطانیہ غیر ملکوں کی قرضدار بن گئی ۔

ایسی حالت میں برطانیہ کے لئے سونے کا نظام قائم رکھنا اور پونڈ کی قیمت برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔ اگر درآمد و برآمد کی یہ صورت ہو کہ کسی ملک میں غیر ملکوں کو قرضہ دہندگان کی تعداد کم ہو جائے۔ اور غیر ملکوں سے قرضہ گیرندگان کی تعداد زیادہ۔ یا یوں کہو کہ اگر کسی ملک کو غیر ملکوں کو روپیہ دینا زیادہ ہو۔ اور ان سے لینا کم۔ تو اس ملک کے زر کی قیمت گرے گی۔ غیر ملکی ہنڈی خریدنے والے زیادہ ہونگے۔

اور بیچنے والے کم۔ غیر ملکی ہنڈی کی قیمت بڑھے گی۔ اور اپنے ملک کے زر کی قیمت گھٹے گی +

برطانیہ کے لئے دوبارہ سونے کا نظام قائم کرنا دانشمندی کا کام نہ تھا۔ مگر پھر بھی اسے بچانے اور اپنی ناک رکھنے کی خاطر جو کچھ ہو سکا برطانیہ نے کیا۔ درآمد گھٹانے کے لئے سودیشی کا زور شور سے پرچار کیا گیا۔ باقی برٹش انگریزی مال خرید و غیر ملکی مال کے ترک کرنے کی ہدایت تھی۔ دوم جب مزدور حکومت کی جگہ نیشنل یا قومی حکومت نے لی۔ درآمد پر محصول بڑھانے کا انتظام کیا گیا۔ یہ دو غرض سے۔ اوّل درآمد کو گھٹانا تھا۔ دوم انگریزی صنعت کی مدد کرنی تھی +

قوموں میں دینے لینے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ برطانوی سونے کے نظام کے ٹوٹنے کا فوری سبب ایک طوفان تھا۔ جو ۱۹۳۱ء کی گرمیوں میں یورپ میں اٹھا۔ اور جس نے آسٹریا اور جرمنی کے بنکوں کی جڑ ہلا دی +

کریڈٹ انسٹالٹ (CREDITANSTALT) آسٹریا کا سب سے بڑا بنک ہے۔ ۱۹۳۱ء کی گرمیوں کے شروع میں اس بنک کے ایک ڈائرکٹر کو خیال آیا کہ بنک کے اثاثے کی پڑتال کرنی چاہیئے۔ معمولی بات تھی۔ بنکوں کے اثاثے کی جانچ پڑتال ہوتی ہی رہتی ہے۔ مگر جب اس بنک کی پڑتال ہوئی۔ تو معلوم ہؤا۔ کہ بنک دیوالیہ ہے حکومت

آسٹریا کو بنک کی مدد کرنی لازمی ہوئی۔ کیونکہ اگر یہ بنک ٹوٹ جاتا تو اوروں کے دیوالے نکلتے اور آسٹریا کی تجارت و صنعت و حرفت برباد ہو جاتی۔ اور ملکوں سے مدد مانگی گئی۔ سر ارتھر سالٹر ان دنوں میں امریکہ تھے۔ اپنی کتاب RECOVERY میں رقم طراز ہیں۔ کہ ایک دن میں امریکہ کے مرکزی بنک (FEDERAL RESERVE BANK) کے گورنر کے دفتر میں بیٹھا تھا۔ گورنر ٹیلیفون پر کبھی شکاگو سے بات کرتا تھا۔ کبھی لنڈن سے معلوم ہوتا تھا کہ کریڈٹ انسٹالٹ کی کمزوری کی وجہ سے نہایت نازک حالت پیدا ہو گئی ہے۔ جس کا اثر ساری دُنیا پر پڑیگا +

ہوا بھی یہی۔ کریڈٹ انسٹالٹ کو بنک او انگلینڈ نے ۴۵ لاکھ پونڈ کا قرضہ تھوڑی مُدت کے واسطے دیا۔ اور اس میعاد کے ختم ہونے کے بعد رقم مانگی۔ کیونکہ خود بنک او انگلینڈ کی حالت نازک ہو چلی تھی۔ بنکوں کا جب اعتبار اُٹھنے لگتا ہے تو لوگ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں اور اپنی امانتیں طلب کرتے ہیں۔ پہلے آسٹریا میں یہ صورت پیدا ہوئی۔ پھر جرمنی میں اور بعد ازاں انگلینڈ میں۔ انگلینڈ کے یورپین قرضخواہوں نے اپنی رقمیں طلب کیں۔ انگلینڈ میں سونے کا ذخیرہ فقط ایک بنک کے پاس رہتا ہے۔ یعنی بنک او انگلینڈ کے پاس۔ یہ

ذخیرہ کم ہونے لگا۔ اپنی جان بچانے کے لئے برطانیہ نے جولائی کے آخر میں فرانس اور امریکہ سے ۵ کروڑ پونڈ قرضہ لیا۔ مگر یہ رقم تین ہفتے کے اندر اندر اُڑ گئی۔ اگست کے آخر میں ۸ کروڑ پونڈ اور قرضہ لیا۔ مگر پونڈ بچ نہ سکا۔ الٹا اور قرضہ سر چڑھا۔ اگر برطانیہ نے چھوٹی موٹی رقمیں دینی ہوتیں تو ممکن ہے کہ سونے کے نظام کو توڑنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ مگر اس وقت ۴۰ کروڑ پونڈ قرضہ انگلینڈ کو دینا تھا۔ کل رقم جو انگلینڈ کو جرمنی اور یورپ کی ریاستوں سے لینی تھی۔ اور جس کی وصولی کی اُمید نہ تھی۔ ۵ کروڑ پونڈ تھی +

ملک کی ضروریات کے لئے بنک او انگلینڈ کو ۱۵ کروڑ پونڈ سونے کے ذخیرے کی ضرورت ہے۔ جب یہ ذخیرہ ۱۳ کروڑ پونڈ رہ گیا چار و ناچار بنک نے نوٹوں کے بدلے سونا دینا بند کر دیا۔ ۲۰ جولائی اور ۲۰ ستمبر کے درمیان ۲۰۰۰۰۰۰۰۰ پونڈ سونا انگلینڈ سے باہر گیا +

جب برطانیہ نے سونے کا ساتھ چھوڑا تو برطانوی کارخانہ داروں نے بغلیں بجائیں۔ پونڈ کی بے قدری ہوئی۔ اور برطانوی ساہوکاروں کی ناک کٹ گئی۔ مگر مزدور اور کارخانے دار ایسے خوش تھے جیسے بڑی نعمت مل گئی +

فصل ۱۷

سونے کی قیمت

جنوری ۱۹۳۴ء میں امریکہ نے سونے کا ڈالر ہلکا کر دیا۔ پہلے امریکہ کے ڈالر میں ۲۲ء۲۳ گرین خالص سونا تھا۔ نئے ڈالر میں ۱۷ء۱۳ گرین ہے۔ سوورین میں اب بھی ۱۱۳ گرین خالص سونا ہے۔ اس حساب سے ایک سوورین = ۸ء۲۴ امریکن ڈالر۔

مگر ۱۳ جون ۱۹۳۹ء کو ایک پونڈ سٹرلنگ کے عوض میں تقریباً ۴ء۶۹ ڈالر ملتے تھے۔ اگر سٹرلنگ سونے کے برابر ہوتا تو پورے ۸ء۲۴ ڈالر ملتے۔ معلوم ہوا کہ سٹرلنگ کے مقابلے میں ڈالروں کی قیمت بڑھ گئی۔ اضافہ تقریباً ۷۶ فی صدی ہوا۔

چونکہ امریکن ڈالر سونے کا ہے۔ یا سونے کا نظام امریکہ میں قائم ہے۔ اور انگلینڈ میں سٹرلنگ اور سونے میں فرق ہے۔ اس لئے جس نسبت سے ڈالروں کی قیمت سٹرلنگ کے مقابلے میں بڑھے گی۔ تقریباً اسی نسبت سے سٹرلنگ کے مقابلے میں سونے کی قیمت

لندن میں بڑھے گی۔ سونے کا نظام ٹوٹنے سے پہلے
لنڈن میں ایک آونس خالص سونے کی قیمت ۸۴ شلنگ
۹ ¾ پنس تھی۔ اور ۱۳ جون کو ۱۴۸ شلنگ ۴ پنس۔
سونے کی قیمت میں ۵۰ فی صدی اضافہ ہوا +
ہمارے روپے کا سٹرلنگ سے رشتہ جڑا ہوا ہے۔
اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ جتنی سونے کی قیمت سٹرلنگ
کے مقابلے میں لندن میں بڑھے گی۔ تقریباً اتنی ہی
ہندوستان میں بڑھے گی۔ سونے کا نظام ٹوٹنے سے
پہلے خالص سونے کی قیمت فی تولہ ۱۰-۳-۲۱ روپے
تھی۔ ۵۰ فی صدی اضافے کے حساب سے بمبئی
میں قیمت ۳۲ روپے ۳ آنے ہونی چاہیئے تھی۔ حقیقت
میں اس دن سونے کا بھاؤ ۶-۱-۳۲ روپے
فی تولہ تھی +
ایک آدھی فی صدی کا فرق نظر انداز کیا جا سکتا
ہے۔ مثال سے ظاہر ہے۔ کہ ڈالر سٹرلنگ کی شرح
کے ساتھ ساتھ لندن اور بمبئی دونوں میں سونے کی
قیمت بڑھتی گھٹتی ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ نیویارک میں
سونے کی قیمت مقرر ہے۔ ۳۵ ڈالر۔ اب اگر پونڈ
سٹرلنگ کے ۵ ڈالر ملیں۔ تو لندن میں سونے کی قیمت
۷ پونڈ سٹرلنگ ہوگی۔ اگر امریکن ہنڈی کی قیمت یا
شرح تبادلہ ۴۸۶ ڈالر فی پونڈ مقرر ہو جائے۔ یا انگلینڈ

بھی سوورین کو اُسی نسبت سے ہلکا کر دے۔ جس نسبت سے امریکن ڈالر ہلکا ہوا ہے (۴۱ فی صدی) تو لندن میں سونے کی قیمت ۶۹ ½ فی صدی بڑھ جائیگی۔ مطلب یہ ہے کہ ۱۶۹ ½ ہلکے سوورین ۱۰۰ پرانے سوورنوں کے برابر ہونگے۔ اگر ہماری شرح تبادلہ وہی ۱۸ پنس رہے۔ تو ہندوستان میں سونے کی قیمت فی تولہ ۳٦ روپے ہو جائیگی۔ یعنی سونے کا نظام ٹوٹنے سے پہلے کی قیمت میں ۶۹ ½ فی صدی اضافہ ہوگا +

فرض کرو سوورین کو ڈالر سے زیادہ ہلکا کیا گیا۔ مثال کے طور پر ۴۵ ⅖ فی صدی۔ اس صورت میں لندن میں سونے کی قیمت ۱۵۵ ½ شلنگ ہوگی۔ اور ہندوستان میں تقریباً ۳۹ روپے فی تولہ +

اگر پونڈ سٹرلنگ = ۴ء۶۹ ڈالر کی شرح منظور ہوئی۔ تو جو آج کل سونے کی قیمت ہے وہی برقرار رہیگی۔ ۳۷ روپے اور ایک دو آنے۔ مگر شرط یہ ہے کہ روپیہ ۱۸ پنس کے برابر ہو۔ اگر ہم اپنی شرح تبادلہ ۱٦ پنس کر دیں۔ تو اس قیمت میں ۱۲ ½ فی صدی کا اضافہ ہو جائے گا +

ایک صورت میں سونے کی قیمت فی تولہ پھر ۲۱ روپے ۳ آنے ۱۰ پائی ہو جائیگی۔ اگر انگلینڈ سوورین کو ہلکا نہ کرے۔ اور بنک او انگلینڈ نوٹوں کے بدلے

ہیں پھر سونا دینے لگے۔ پونڈ سٹرلنگ ۴۸۶۶ ڈالر کے برابر ہوگا۔ دوسری شرط یہ ہے۔ کہ ہماری شرح تبادلہ بھی نہ گھٹے روپیہ سونا کے ۱۸ پنس کے برابر ہو۔ یا تقریباً ۸½ گرین خالص سونے کے۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ برطانیہ دوبارہ وہ غلطی نہیں کریگی۔ جو ۱۹۲۵ء میں کی۔ اور ہمارے لئے روپے کو تقریباً ۸½ گرین خالص سونے کے برابر قرار دینا جان بوجھ کر تباہی کے کنوئیں میں چھلانگ مارنا ہوگا ۔

فصل ۱۸

بنکوں کے کام

تمہاری ماہواری آمدنی دو سو روپے ہے۔ اور تم کفایت شعار ہو۔ یعنی تمام کی تمام آمدنی خرچ نہیں کر دیتے۔ پچاس روپے ماہوار بچاتے ہو۔ بچت کہاں رکھوگے؟

چاہو زمین میں گہرا گڑھا کھودو اور سونا خرید کر اس میں دبا دو۔ پھر بھی ڈر لگا رہیگا۔ شاید پڑوسیوں

نے تمہیں گڑھا کھودتے دیکھ لیا ہے۔ موقع پا کر چور سونا نکال کر لے جائیگا ⁂

اگر کوئی دیانت دار آدمی مل جائے۔ جو سونا اپنے پاس رکھ لے اور جب تم چاہو واپس کر دے۔ تو شاید اِس خدمت کے بدلے میں تم اسے ایک آدھ فی صدی سُود دینے کو بھی تیار ہو جاؤ۔ اور کچھ نہیں امانت محفوظ تو رہیگی۔ اگر چوری ہو یا ڈاکہ پڑے تو مال کے علاوہ جان جانے کا بھی خطرہ ہے ⁂

اگلے زمانے میں جب بنک نہیں تھے لوگ گھروں میں گڑھے کھود کر دیواریں کھوکھلی کر کے یا کھیتوں میں دبا کر دولت رکھتے تھے۔ چوریاں بھی ہوتی تھیں۔ جانیں بھی جاتی تھیں۔ اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ آدمی اچانک مر گیا۔ اور پس ماندگان کو بتا نہ سکا کہ دولت کہاں چھپا کر رکھی ہے ⁂

بنک میں روپیہ جمع کرا دو۔ تو اوّل امانت محفوظ۔ دوم امانت پر سُود ملتا ہے۔ بنک امانت کی حفاظت کرتے ہیں یا تمہاری خدمت بجا لاتے ہیں۔ اور معاوضہ نہیں چاہتے۔ بلکہ اُلٹا تمہیں نہ معلوم کس بات کا معاوضہ سُود کی شکل میں سال بسال دیتے ہیں۔ گویا تم نے کرم کیا کہ بنک کو اپنی امانت رکھنے کا شرف بخشا ⁂

ظاہر ہے کہ اگر کوئی بنک امانتوں پر ۳ فیصدی سُود دیتا ہے۔ تو کسی نہ کسی طرح امانتوں سے ۶-۷ فی صدی ضرور کماتا ہوگا +

بنک امانتوں کو تہ خانوں میں دھرا نہیں رہنے دیتے۔ لوگوں کو قرض دیتے ہیں +

تم پُوچھوگے کہ بنک کو میری امانت دوسرے کے حوالے کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ فرض کرو امانت اس شرط پر بنک میں رکھی گئی ہے کہ جب تم طلب کرو واپس مل جائے گی +

بے شک جب تم چاہو اپنی امانت بنک سے واپس لے آؤ۔ مگر دس ہزار لوگوں نے اگر ہزار ہزار روپیہ اس شرط پر بنک میں جمع کرایا ہے۔ تو دس ہزار کی فوج ایک ہی دِن بنک سے امانت طلب نہیں کریگی +

روزانہ لوگ امانتیں جمع کراتے ہیں اور نکلواتے بھی ہیں۔ فرض کرو سو روپے میں سے بنک کے پاس چالیس روپے ہمیشہ بچ جاتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ بنک زیادہ سے زیادہ چالیس روپے قرض دے سکتا ہے۔ احتیاطاً بنک ۳۰-۳۵ روپے سے زیادہ قرض نہیں دیگا +

اسی اصُول کے مطابق بیمہ کمپنیاں کام کرتی ہیں۔

مَیں نے آج پچاس ہزار روپے کا بیمہ کرا دیا۔ شرائط کے مطابق دو تین قسط ادا کئے۔ پھر حضرت ملک الموت تشریف لائیں۔ اَور مجھے ہمراہ لے جائیں۔ خُوشی سے عالم بقا کو سدھارُونگا۔ پس ماندگان کے پچاس ہزار روپے کہیں نہیں گئے +

دس ہزار آدمی پچاس پچاس ہزار کا بیمہ کرا کر دو چار مہینے میں مر جائیں۔ تو بیمہ کمپنی کا دیوالہ پٹ جائے۔ مگر بیمہ کمپنیوں کو معلوم ہے۔ کہ ان دس ہزار میں سے سال کے اندر اندر ساٹھ ستّر یا سو مرینگے۔ دس ہزار کے دس ہزار جان نہیں کھو بیٹھیں گے۔ دس ہزار سے بیمہ کمپنی سال بھر قسطیں وصُول کریگی۔ اور سو پچاس کی بیمے کی رقم ادا کرنی ہوگی +

ہاں وَبا آئے اَور مری پڑ جائے تو بیمہ کمپنیاں نقصان اُٹھاتی ہیں۔ اسی طرح اگر بنک کی ساکھ جاتی رہے تو بنک ٹُوٹیگا۔ اور ضرور ٹُوٹیگا۔ ساکھ ہے۔ تو سب کچھ ہے۔ ساکھ گئی اور بنک گیا۔ زبردست سے زبردست بنک سو فی صدی امانتیں نہ خانوں میں نہیں رکھ سکتا۔ بنک کمائی نہیں کریگا۔ تو سُود کیونکر دیگا۔ اَور خرچ کیونکر نکالیگا +

بنکوں کا بڑا فائدہ یہ ہے۔ کہ امانتیں جو پہلے

گڑی دبی رہتی تھیں۔ اب کاروبار میں لگ جاتی ہیں۔ بیوپاریوں کی ہنڈیاں بنک خرید لیتے ہیں۔ اور بیوپار کے لئے روپیہ قرض دیتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں صنعتی بنک صنعتوں کو روپیہ قرض دیتے ہیں۔ اور اس طرح صنعتی پیداوار بڑھانے میں حصّہ لیتے ہیں +

یورپ اور امریکہ میں پہلے بنک اپنے نوٹ بھی جاری کیا کرتے تھے۔ اب یہ کام ہر ملک میں مرکزی بنک کے سپرد ہوا ہے۔ ہندوستان میں پہلے حکومت ہند نوٹ جاری کرتی تھی۔ اب یہ کام ریزرو بنک نے سنبھال لیا ہے +

معمولی مشترکہ سرمایہ کے بنک نوٹ تو جاری نہیں کر سکتے۔ مگر چیک جاری کرنا ان کے اختیار میں ہے +

تم کہو گے نہیں۔ اگر میں نے بنک میں روپیہ جمع نہیں کرایا۔ تو بنک مجھے چیکوں کی کاپی کیوں دے گا؟

روپیہ جمع نہ کراؤ۔ اگر ساکھ والے ہو اور بنک نے تمہیں روپیہ قرض دیا ہے۔ تو چیکوں کی کاپی مل جائیگی۔ چیکوں سے وہی کام نکلتے ہیں جو چاندی کے روپوں یا کاغذی نوٹوں سے۔ چیک بنک کا زر ہے +

چیک جاری کرنے میں بنکوں کو احتیاط لازمی ہے۔

چک درشنی ہنڈی ہے۔ درشن کرتے ہی بنک کو چک کی رقم ادا کرنی ہوتی ہے۔ اگر روپیہ موجود نہیں تو بنک کا دیوالہ نکل گیا ॥

یورپ اور امریکہ میں خرید و فروخت زیادہ تر چکوں کے ذریعے ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں اوّل بنک تھوڑے ہیں۔ دوم لوگ ان پڑھ ہیں۔ چکوں کا استعمال شہروں میں ہے دیہات میں نہیں ॥

ہندوستان میں بنکوں اور ان کی شاخوں کی تعداد تقریباً چھ سو سات سو ہے۔ برطانیہ میں بنک تیس پینتیس سے زیادہ نہیں۔ مگر ان کی شاخیں ۶ ہزار سے زیادہ ہیں۔ ہمارے بنک چھوٹے چھوٹے ہیں۔ برطانیہ میں پانچ چھ ایسے بنک ہیں۔ جن کی ایک ایک کی امانتیں ہمارے تمام بنکوں کی امانتوں سے زیادہ رقم کی ہیں ॥

پہلے برطانیہ میں بھی الگ چھوٹے چھوٹے بنک تھے۔ مگر چھوٹے چھوٹے بنکوں کے میل سے بڑے بڑے بنک بنے۔ اور بنکوں کی تعداد گھٹ گئی۔ چھوٹے بنکوں کے مقابلے میں بڑے بنک زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ ٹوٹنے کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اور تجارت اور صنعتوں کی بڑے پیمانے پر امداد کر سکتے ہیں ॥

اس میں شک نہیں کہ چھوٹے مقامی بنک مقامی حالات اور بیوپاریوں سے زیادہ اچھی واقفیت پیدا کر لیتے ہیں۔ مگر بڑے بنک جگہ جگہ شاخیں کھول دیتے ہیں۔ اور ان شاخوں کے مینجر اور ڈائرکٹر مقامی لوگ ہوتے ہیں*

فصل ۱۹

سرد بازاری۔ اسباب اور علاج

برطانیہ اور برطانیہ کے ساتھ ساتھ تقریباً دنیا بھر میں سونے کے نظاموں کا ٹوٹنا عالمگیر سرد بازاری کا جو ۱۹۲۹ء میں شروع ہوئی ایک ادنےٰ کرشمہ تھا*

جنگ عظیم سے پہلے قیمتیں بڑھ رہی تھیں ہندوستان میں اور اور ملکوں میں بھی۔ مگر اناج اور خام اشیاء کی قیمتیں زیادہ بڑھیں۔ اور صنعتی اشیاء کی مقابلتاً کم۔ ہندوستان کی برآمد زیادہ تر اجناس کی ہے۔ اجناس کو بیچ کر ہم یورپ سے صنعتی اشیاء خریدتے ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ اگر صنعتی اشیاء کی قیمتیں اجناس

کے مقابلے میں کم رہیں تو ہندوستان کو فائدہ رہیگا۔ چنانچہ جنگ عظیم سے پہلے غیر ملکوں کے ہاتھ کپاس۔ گیہوں۔ جوٹ۔ بیج وغیرہ اچھے داموں بیچ کر ہم نے بہت نفع کمایا۔ اور یورپ کی صنعتی اشیاء مقابلتاً سستے داموں خریدیں ؎

جنگ کے دوران میں قیمتیں بڑھیں اور ۱۹۲۰ء تک بڑھتی رہیں۔ اس کے بعد گرنی شروع ہوئیں۔ پکّے اور کچّے مال دونوں کی قیمتیں گریں۔ مگر مقابلتاً کچے مال کی زیادہ ؎

ارزانی کی وجہ

پُرانی کہانی ہے کہ ایک فقیر نے دنیاوی خیالات سامنے رکھ کر گھور تپسّیا کی۔ تپسّیا کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ایک خونخوار اور مہیب بھُوت سامنے نمودار ہُوا۔ اور کہنے لگا۔ کیا حکم ہے۔ مَیں تیرے بس میں ہوُں۔ جو کہے گا کرونگا۔ مگر مجھے ایک لمحہ بھی خالی بٹھایا تو تجھے کھا جاؤنگا۔ فقیر کے ڈر کے مارے پران نکل گئے۔ پھر بھی ہمّت کرکے کہا کہ یہ لا۔ وہ لا۔ جو جو فقیر کہتا بھُوت دم کے دم میں حاضر کر دیتا۔ پھر کہتا اور جلد بتا کیا کروں۔ ورنہ تجھے کھاتا ہوُں۔ تنگ آ کر فقیر نے ایک اُونچا بانس

زمین میں گاڑ دیا۔ اور کہا۔ بھائی جب کچھ کام نہ ہو تو بانس کے اوپر چڑھا اترا کر۔ اس طرح اپنی جان بچائی +

سرمایہ داروں نے علم کے زور سے کلوں کا بھوت تو اپنے سامنے کھڑا کر لیا ہے۔ مگر اس کو قابو میں نہیں رکھ سکتے۔ یہ کلوں کے بھوت کی برکت ہے کہ ہر چیز کی پیدا وار مانگ سے کہیں زیادہ ہے +

کلوں نے اٹھارھویں صدی کے آخر میں برطانوی صنعت و حرفت کی کایا پلٹ دی۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ اہلِ برطانیہ ہمارے سوتی کپڑے شوق سے لے جایا کرتے تھے۔ خود استعمال کرتے اور جو مال باقی بچتا دوسرے ملکوں میں نفع پر فروخت کر دیتے۔ مگر کلوں نے ہماری دستکاری کا ناس ملا دیا۔ رفتہ رفتہ ہندوستان سے سوتی کپڑے کی برآمد بند ہو گئی۔ اور ہم خود ولایتی کلوں کا استعمال کرنے لگے۔ جوں جوں لنکاشائر کے کارخانوں نے ترقی کی۔ ہندوستان میں انگریزی کپڑے کی درآمد بڑھتی گئی +

کلوں کے ذریعہ لوہے کی اور دیگر اشیاء بننے لگیں۔ ریلیں اور جہاز بنے۔ جن سے بین الاقوامی تجارت کی شکل بدل گئی۔ چونکہ کلوں کی ایجاد کا سلسلہ پہلے

انگلستان میں شروع ہؤا تھا۔ صنعت و حرفت میں کوئی اور قوم انگریزوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ کلوں کے بھوت نے انگریزوں کو مالا مال کر دیا۔ اور دُنیا بھر کے خزانوں سے ان کا گھر بھر دیا ✤

انگلستان کے بعد جرمنی۔ فرانس یورپ کے اور حصوں اور امریکہ میں کلوں کا استعمال شروع ہؤا۔ جگہ جگہ کارخانے بنے۔ اور ان میں کلوں کا بھوت سرمایہ داروں کا خادم بن کر ان کا حکم بجا لانے لگا ✤

ہندوستان میں پہلی کپڑے کی مل ۱۸۱۸ء میں کلکتہ کے قریب بنی۔ پھر ۱۸۵۱ء میں بمبئی میں پہلی مل بنی۔ اور دس سال کے عرصے میں اور گیارہ ملوں کی بنیاد پڑی۔ پچھلی صدی کے آخر میں ہماری کُل ملیں ۴۲ کروڑ گز سوتی کپڑا بناتی تھیں ✤

۱۹۱۳-۱۴ء میں ان کارخانوں میں ۱۱۶ کروڑ گز کپڑا بنا۔ اسی سال ۳۲۰ کروڑ گز کپڑا غیر مُلکوں سے ہندوستان میں آیا۔ جس میں سے ۳۱۰ کروڑ گز برطانوی تھا ✤

جنگ کے دَوران میں برطانوی کپڑے کی درآمد گھٹ گئی۔ کیونکہ برطانوی کارخانوں کو کپڑا بنانے کی فُرصت کم تھی۔ بار برداری کے جہازوں کی قلّت بھی تھی۔ جاپانی کپڑے کی درآمد نے ترقی کی۔ اور ہندوستانی

صنعت و حرفت کی بھی سوئی ہوئی قسمت جاگی۔ سال بسال ترقی جاری رہی۔ ۳۰-۱۹۲۹ء میں دیسی ملوں میں ۲۴۲ کروڑ گز کپڑا تیار ہوُا۔ ۳۲-۱۹۳۱ء میں ۲۹۹ کروڑ گز۔ اور ۳۸-۱۹۳۷ء میں ۴۰۸ کروڑ گز +

درآمد پر بھاری محصول لگنے سے کپڑے کی صنعت کو ہی مدد نہیں ملی ہے۔ نئی صنعتیں ہندوستان میں کھڑی ہو گئی ہیں۔ مثالیں ہیں۔ لوہا اور فولاد۔ دِیا سلائی۔ کھانڈ سازی۔ عمدہ اور سستا کاغذ بھی ہندوستان میں بننے لگا ہے +

جنگ عظیم کے بعد ہندوستان ہی نے نہیں اور ایشیائی ممالک جیسے چین۔ جاپان۔ ایران نے بھی میدان صنعت میں آگے قدم بڑھایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کلوں کے زور سے تمام دُنیا میں پکی اشیاء تیار ہونے لگیں۔ تو رسد مانگ سے آگے نکل جائیگی یا نہیں۔ پہلے ہم ۳۱۰ کروڑ گز کپڑا برطانیہ سے منگاتے تھے۔ اب ۴۰۸ کروڑ گز اپنے کارخانوں میں بناتے ہیں۔ برطانیہ کے مال کی ضرورت نہیں رہی یہی حال اور اشیاء کا ہے۔ جو ہم خود بنانے لگے ہیں +

سرمایہ دارانہ نظام اگر دو چار مُلکوں میں ترقی کرے تو ان کی بہبُودی کا باعث ہوگا۔ یہ ملک کلوں کے ذریعے زیادہ سے زیادہ اور سستی سے سستی اشیاء

بنائیں گے - اور دُنیا کی منڈیوں میں بیچیں گے - مگر دُنیا بھر میں سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی سرد بازاری کا باعث ضرور بالضرور بنیگی +

کلوں کے استعمال سے زراعت کے طریقے بدل گئے ہیں - جنگ عظیم سے پہلے امریکہ تک میں کلوں والے ہلوں کا استعمال نہ ہونے کے برابر تھا - کیونکہ یہ ہل مہنگے تھے اور ان کے چلانے کا خرچ اتنا تھا - کہ کنک کی قیمت کو دیکھ کر کسانوں کو ان ہلوں کو کام میں لانے کی جرأت نہ پڑتی تھی - مگر جنگ کے ایّام میں اوّل تو کنک کی قیمت بڑھی - پھر یہ ہل زیادہ تعداد میں بننے کی وجہ سے سستے ملنے لگے - اب کیا تھا - جگہ جگہ کلوں کے ہل چلنے لگے - ۱۹۲۹ء میں ایسے دس لاکھ ہل امریکہ کے کھیتوں میں کام کر رہے تھے - امریکہ سے ہل اور زراعتی کلیں کینیڈا - آسٹریلیا - ارجن ٹین اور اَور ملکوں میں جاتی ہیں - نئی آبادیوں میں زمین کی کمی نہیں - کھیت بڑے بڑے ہیں - کلوں کے ذریعے کام کرنے میں خرچ اور محنت مزدوری کی بچت ہوتی ہے - جس طرح کلوں کے استعمال نے صنعت و حرفت کی کایا پلٹ دی - اسی طرح پچھلے بیس سالوں میں کلوں نے یورپ اور امریکہ کی زراعت کا نقشہ بدل دیا ہے +

کنک - کپاس - قہوہ - گنے - ربڑ اور اور اجناس کی پیدا وار اتنی بڑھ گئی - کہ جان بوجھ کر گھٹانے کی ضرورت پڑی - پیدا وار کا بڑھنا علم و ایجاد کی ترقی کی وجہ سے تھا۔

ع اے روشنیٔ طبع تو برمن بلا شدی

علم و ایجاد کی ترقی بنی نوع انسان کے لئے بلائے جان بن گئی - امریکہ میں کنک کو انجنوں میں ایندھن کے طور پر جلایا گیا - برازیل میں لاکھوں بوریاں قہوے کی نذرِ آتش ہوئیں - اور سمندر میں پھینکی گئیں۔ امریکہ میں کپاس کے کھیتوں میں دوبارہ ہل چلوا کر فصل کو ضائع کیا گیا - اور قیمتیں بڑھانے کے لئے مستقل طور پر پیدا وار گھٹانے کا بندوبست کیا گیا۔ حقیقت میں دُنیا بھر کی کپاس کی پیدا وار میں ممالک متحدہ شمالی امریکہ کا فی صدی حصّہ گھٹ گیا ہے۔ مگر ۱۹۳۶-۳۷ء میں دُنیا بھر کی کپاس کی پیدا وار تقریباً ۶۶۹ لاکھ کوئنٹل تھی۔ ۱۹۲۳-۲۴ء سے ۱۹۲۷-۲۸ء تک ۵ سال میں سالانہ اوسط پیدا وار ۵۳۲ لاکھ کوئنٹل تھی۔ پیدا وار میں تقریباً ۲۶ فیصدی اضافہ ہوا (کوئنٹل = ۱ $\frac{1}{4}$ من)۔

کنک کا بھی یہی حال ہے - پیدا وار بڑھ رہی ہے اور مانگ نہیں بڑھتی - اگر جنگ کا خطرہ دُور ہو جائے کنک کی قیمت اور گریگی۔

اِن مثالوں سے ظاہر ہے کہ کیا صنعتی اشیاء اور کیا زراعتی پیداوار بین الاقوامی مانگ اور رسد کا نقشہ بدل گیا ہے +

عالمگیر سرد بازاری کا جو رسد کے بڑھنے سے پیدا ہو گیا علاج ہے؟

مارکس کے پیرو بغلیں بجا کر کہینگے۔ دیکھا کون سچّا نکلا اور کون جھوٹا۔ مارکس نے آج سے ۷۵ سال پہلے پیشین گوئی کی تھی۔ کہ سرمایہ دارانہ نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ اپنے زور سے یہ خود ہی ٹوٹیگا۔ اس نظام میں پیداوار جتنی چاہو کلوں کی مدد سے بڑھا لو۔ مگر عوام کی قوت خرید نہیں بڑھتی۔ پس ثابت ہو گیا کہ ذرائع پیداوار حکومت کی ملکیّت ہونے چاہئیں۔ حکومت خود ہی دولت پیدا کرے۔ اور خود ہی تقسیم کرے +

مجھے اِنکار نہیں کہ اگر ایک بین الاقوامی حکومت بین الاقوامی سرمایہ کی مالک بن جائے اور دُنیا بھر میں ایک باترتیب بین الاقوامی نظام موجودہ متفرق قومی نظاموں کی جگہ کھڑا کرنے میں کامیاب ثابت ہو۔ تو سرد بازاری سے ہمیشہ کے لئے چھٹی مل جائے۔ مگر

ع این خیالست و محالست و جنوں

ایسی ہی بات ہے۔ جیسے آنے والے ست جُگ میں

حکومت اُڑ جائے گی۔ نہ پولیس ہوگی نہ فوج۔کوئی کسی کو کام کرنے پر مجبور نہیں کریگا۔ آپس میں سب مل کر بھائی بھائی کی طرح رہینگے۔ مل کر دولت پیدا کرینگے۔محنت جس سے جتنی ہو سکے گی کریگا۔مشترکہ طریق سے پیدا کی ہوئی دولت گوداموں میں بھر دی جائے گی۔ اور ان کے دروازے کھلے رہا کرینگے۔ جس کو جتنی جس چیز کی ضرورت ہوگی۔ضرورت کے مطابق گوداموں میں سے لے لیا کریگا ×

نہ کبھی بین الاقوامی حکومت قائم ہوگی نہ بین الاقوامی اشتراکی نظام ظہور میں آئیگا۔ نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی +

بغیر بین الاقوامی حکومت کے بین الاقوامی اشتراکی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ مارکس کے پیرو شاید اس خیال میں ہیں۔کہ تمام دُنیا کو فتح کرکے رُوس ایک دن بین الاقوامی راج کی نیو بیل ڈال دیگا۔مگر "ہنوز دِلّی دُور است"۔ رُوس کو اپنے بچاؤ کا فکر ہے۔ بین الاقوامی انقلاب کا سبق رُوس کو یاد نہیں رہا۔ اور کسی مُلک کا تو ذکر ہی کیا ×

بین الاقوامی حکومت اور بین الاقوامی اشتراکی نظام کے راستے میں قومی تفرقات کا پہاڑ کھڑا ہے ×

قومی تفرقات کبھی مٹینگے نہیں۔جنگ و جدال کا

بازار ہمیشہ گرم رہیگا ؂

وجہ آبادی کا بڑھنا ہے۔آبادی ایک فی صدی فی سال کی شرح سے بڑھتی ہے۔اس شرح سے جرمنی ۔ جاپان اور اٹلی کی آبادی میں سال بسال اضافہ ہو رہا ہے۔ روس میں آبادی کے بڑھنے کی شرح $1\frac{1}{4}$ فی صدی فی سال ہے ؂

بڑھتی ہوئی آبادی کو خوراک اور سامان آرام و آسائش چاہیئے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ زراعتی پیدا وار ایک حد تک بڑھائی جا سکتی ہے۔اس حد سے گذرنے کے بعد لاگت فی من بڑھنے لگے گی۔ایک فی صدی فی سال کے حساب سے ۷۰ سال میں آبادی دُگنی ہو جاتی ہے۔اب ایک چھوٹے ملک کو لو۔ جیسے جاپان ۔ جاپان پہاڑی ملک ہے۔ کُل جاپان کے رقبے کا صرف $15\frac{3}{5}$ حصّہ کاشت کے قابل ہے۔ خوراک زیادہ پیدا کرنے کے لئے جاپان کو زمین چاہیئے ایک ایکڑ زمین کی لاکھوں من پیدا وار نہیں ہو سکتی

ہندوستان جاپان سے کئی گُنا بڑا ہے۔ مگر ہماری آبادی بھی زیادہ ہے۔ ہمیں بھی زمین کی ضرورت ہے اگر تمام رقبہ زیر کاشت کو کسانوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے۔ تو فی کسان مشکل سے $2\frac{1}{2}$ یا ۳ ایکڑ حصّے میں آئینگے ۔ اگر ہندوستانیوں کو آسٹریلیا۔کینیڈا اور

امریکہ میں بسنے کی کھلی اجازت ہو تو کروڑوں ہمارے کسان ملک چھوڑ کر چلے جائیں ÷

مگر اور ملکوں میں بسنے کون دیتا ہے۔ بین الاقوامی انتراکیوں سے سوال کرو کہ جب بین الاقوامی انتراکیت کا عمل شروع ہوگا۔ جاپانی اور ہندوستانی کسانوں کو اہل آسٹریلیا اور امریکہ اپنے ملک میں بسنے دینگے۔ ناممکن قطعاً ناممکن۔ اگر کالے پیلے لوگ ان ملکوں میں آباد ہو جائیں۔ تو گورے لوگوں کی آمدنی میں فرق آئیگا۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوئی ہے ÷

بین الاقوامی طریقوں سے سرد بازاری کا علاج سوچنا رائیگاں محنت ہے ÷

باقی رہ گیا قومی باترتیب نظام۔ اس کی کئی شکلیں ہیں ÷

رُوس میں ذرائع پیدا وار پر حکومت کا قبضہ ہے۔ حکومت ہی دولت پیدا کرتی ہے اور حکومت ہی دولت تقسیم کرتی ہے ÷

رُوس میں بیکاری نہیں۔ نہ سرد بازاری ہے۔ پچھلے دس سالوں میں رُوسی زراعت اور صنعت نے حیرت انگیز ترقی کی ہے ÷

مگر اس ترقی کے باوجود رُوسی مزدوروں کی اوسط قوت خرید بمبئی کے مزدوروں کی اوسط قوت خرید سے

زیادہ نہیں۔ شاید کم ہی ہو۔ جرمن مزدوروں کی قوّت خرید رُوسی مزدوروں کے مقابلے میں تقریباً دوگنی ہے۔ اور برطانوی مزدوروں کی تقریباً چار گنی ۔

جرمنی میں بیکاری کا مسئلہ ایک حل طلب معمّہ نہیں رہا۔ ہٹلر کی قومی اشتراکیت نے بیکاروں کو کام پر لگایا ہے۔ اور زراعتی اور صنعتی پیداوار بڑھائی ہے۔ جرمنی میں زمین تھوڑی ہے۔ اگر ہٹلر کو زمین اور مل جائے ۔ جیسے رُوس کو ملی ہوئی ہے۔ اس کا باترتیب نظام جرمن مزدوروں کی قوت خرید کو رُوسیوں کے مقابلے میں تگنا اور چوگنا کر دے۔ اور بیکاری نام کو بھی نہ رہے ۔

بالشویک جھوٹ بڑا بولتے ہیں۔ ان کے لکھے ہوئے مضامین پڑھو تو معلوم ہوگا کہ جمہوریت میں رُوس امریکہ اور برطانیہ سے بھی بازی لے گیا ہے۔ لُوٹ کھسُوٹ رُوس میں مٹ گئی ہے۔ جماعتوں کی تفریق جڑ مُول سے اُڑ گئی ہے۔ رعایا حکومت سے نہایت خوش ہے۔ ہر روز میدان سوشلزم میں رُوس کا قدم آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور سوشلزم کیمونزم میں بدلا ہی چاہتا ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ رُوس کی جمہوریت اُسی قسم کی ہے جیسے اٹلی اور جرمنی کی۔ لُوٹ کھسُوٹ جاری ہے۔

گو اس کی شکل بدلی ہوئی ہے۔ جماعتیں نئی پیدا ہو گئی ہیں۔ اور پیدا ہونی لازمی تھیں۔ جب کہ تنخواہوں میں اسّی سو روبل ماہوار سے لے کر بیس اور تیس ہزار روبل ماہوار کا فرق ہو۔ اونٰے درجے کے مزدور تنگی سے گذارا کرتے ہیں۔ ان کی زندگی قیدیوں کی سی زندگی ہے۔ ہندوستان میں جو غلامی اور سرمایہ داری کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ مزدوروں کو زیادہ آزادی نصیب ہے۔ یہ واقعات ہیں جن سے اِنکار ناممکن ہے۔ (دیکھو میری انگریزی کتاب موسوم مارکسزم از ڈیڈ۔ مارکس کا مت ختم ہو چکا ہے) +

اگر باترتیب نظام کی ایک ہی شکل ہے جیسے رُوس کی۔ تو ہندوستان میں باترتیب نظام قائم کرنا لاحاصل ہے۔ اگر یہی مارکس کی اشتراکیت ہے۔ تو ہزار لعنت اس اشتراکیت پر +

یہ بھی خیال رہے۔ کہ ذرائعِ پیدا وار پر قبضہ کر کے حکومت کے افسر کارخانے چلاتے ہیں۔ اقتصادی نظام کی کامیابی کا دار و مدار حکومت کے افسروں پر ہوتا ہے۔ اگر یہ نکمّے ہوں۔ بد دیانت ہوں سُست ہوں۔ رشوت خور ہوں۔ تو بُری طرح رعایا کو لُوٹینگے۔ عوام کی حالت سُدھرے گی نہیں۔ بگڑیگی +

ہمارے ملک میں نوکریاں مذہب اور ذات پات

کے لحاظ سے ملتی ہیں۔ لیاقت سے سروکار نہیں۔ رشوت ستانی کا بازار گرم ہے۔ کونسا حکومت کا محکمہ ہے۔ جہاں رشوت نہیں چلتی ؟

یہ نہیں فرض کیا جا سکتا کہ سوراج ملتے ہی ہماری جُون بدل جائے گی۔ اور ہم سب کے سب فرشتے بن جائینگے۔ رُوس کا حال دیکھ کر اور اپنے ہموطنوں کی خوبیوں اور خامیوں کو یاد کرکے مَیں کبھی نہیں کہونگا کہ سرد بازاری پر قابو پانے کے لئے ہمیں تمام زمین اور کارخانے حکومت کے حوالے کر دینے چاہئیں ؟

باترتیب نظام کی ایک شکل ہے حکومت اور سرمایہ داروں کا مشترکہ نظام۔ یعنی تمام کارخانوں میں حکومت کا بھی حصّہ ہو۔ ایک اور شکل یہ ہے۔ کہ حکومت کا کارخانوں میں حصّہ نہ ہو۔ مگر حکومت پیدا وار قیمتیں۔ اُجرتیں اور منافع قابُو میں رکھے۔ تجربہ سکھائیگا کہ کونسا نظام ہمارے لئے سب سے مُفید ثابت ہوگا۔ مگر کسی صُورت میں کلوں کے بھُوت کو من مانی کارروائی کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی ؟

باترتیب نظام کا چرچا ملک میں شروع ہو گیا ہے۔ چنانچہ کانگرس کی ایک کمیٹی غور کر رہی ہے کہ کس طرح پیدا وار کو ترتیب دی جائے کمیٹی ہزاروں

روپے ماہوار خرچ کر رہی ہے۔ قبل از وقت کارروائی ہے۔ حکومت ہند پر اپنا اختیار نہیں۔ ریزرو بنک کا طرز عمل ہم بدل نہیں سکتے۔ برطانوی جہازوں اور بنکوں کو نکال نہیں سکتے۔ برطانوی مال کی درآمد کو محصول بڑھا کر روک نہیں سکتے۔ ہندوستانی ریاستیں ہماری تابع نہیں۔ ان حالات میں کس طرح اقتصادی نظام بدل سکتا ہے؟

باب چہارم

فصل ۲۰

دَولت کی تقسیم ۔ مزدُوری یا اُجرت

ہم بتا چکے ہیں کہ دَولت پیَدا کرنے میں حصّہ دار چار ہیں ۔ زمین ۔ محنت ۔ سرمایہ اور ترتیب ۔ ظاہر ہے کہ پیَدا کی ہوئی دُولت انہیں چار حصّہ داروں میں بٹے گی ۔ زمین کے مالک کو لگان ملتا ہے۔ محنت کرنے والے مزدُور کو مزدوری یا اُجرت ۔ سرمایہ لگانے والے کو سُود اور ترتیب دینے والے یا منتظم کو منافع ۔ ہم دَولت کی تقسیم کی بحث مزدوری یا اُجرت سے شروع کرتے ہیں +

مزدور سے ہماری مُراد ٹوکری ڈھونے والے مزدُوروں سے ہی نہیں ۔ جو بھی ملازم ہے ۔ خواہ سرکاری خواہ غیر سرکاری ۔ مزدُور ہے ۔ میَں کالج میں پڑھاتا ہُوں ۔

سپاہی فوج میں ملازم ہے۔ ڈپٹی کمشنر یا گورنر حکومت کا نوکر ہے۔ اور بھنگی کارخانے میں صفائی کے کام پر محمود ہے۔ تنخواہ میں البتّہ فرق ہے۔ مگر سب اُجرت پر کام کرتے ہیں۔ اور دوسرے کا حکم بجا لاتے ہیں۔ وکیل میں اور منصف یا جج میں فرق ہے۔ وکیل نوکر نہیں۔ مرضی کا مالک ہے۔ جی چاہے وکالت کرے۔ جی چاہے گھر بیٹھا رہے۔ اور عدالت میں قدم نہ دھرے۔ مگر جج کو حاضری بھرنی ضروری ہے۔ پھر جج کو تنخواہ ملتی ہے اور وکیل کو محنتانہ۔ وکیل اپنی فیس خود مقرر کرتا ہے۔ ایک پیشی کے سَو روپے لے یا ۵۰۰۔ ایسے بھی وکیل سُننے میں آئے ہیں۔ جو روپے دو روپے میں پیشی بُھگتا دیتے ہیں۔ مگر جج کی تنخواہ حکومت مقرر کرتی ہے ؏

خود کاشت مالک مزدُور نہیں۔ مزارعے زمین نہیں رکھتے۔ مگر انہیں زمین کے مالک کا نوکر نہیں کہا جا سکتا۔ مزارعوں کو تنخواہ نہیں ملتی۔ پیَدا وار کا حِصّہ ملتا ہے۔ یا لگان زر نقد کی شکل میں دیا جاتا ہے۔ لگان دے کر جو بچا مزارع کا۔ ممکن ہے اپنے حِصّے میں سے مزارع پیٹ بھی نہ بھر سکے۔ سما اچھا ہے۔ فصل اچھی ہوئی ہے۔ اور لگان کی رقم زیادہ نہیں ہے۔ تو مزارعے کمائی بھی کر لیتے ہیں ؏

اسی طرح دستکاروں کو ہم مزدوروں کی فہرست میں شامل نہیں کرینگے۔ دستکاروں کو تنخواہ نہیں ملتی۔ دستکار کسی کے نوکر نہیں +

ملازموں کو مزدوری ملتی ہے مالکوں کو منافع +

پڑھنے والا شاید کہے کہ دستکار کس چیز کا مالک ہے۔ جواب ہے اپنی مرضی کا۔ چمار کے پاس اپنے اوزار ہیں۔ اپنی مرضی سے نفع کی خاطر جُوتے بناتا اور بیچتا ہے۔ مگر جُوتے بنانے کے کارخانے کے مزدور اپنی مرضی کے مالک نہیں۔ کارخانہ دار انہیں کام پر لگاتا ہے۔ اور محنت کے صلے میں مزدوری یا اُجرت دیتا ہے +

ہندوستان اور صنعتی ممالک جیسے برطانیہ۔ جرمنی میں ایک بڑا بھاری فرق یہ ہے کہ ہمارے ملک میں مزدوروں کے مقابلے میں مالکوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ برطانیہ میں دستکاری تقریباً اُڑ گئی ہے۔ زراعت کی اہمیّت نہیں۔ کام کرنے والوں میں اکثریت صنعتی مزدوروں کی ہے۔ جو کارخانوں میں ملازم ہیں۔ ہمارے ملک میں صنعتیں آبادی کے دس فی صدی حصّے کی ذریعہ معاش ہیں۔ اس دس فی صدی میں کارخانوں کے مزدور کُل ایک فی صدی ہیں۔ باقی ۹ فی صدی دستکار ہیں۔ جو مرضی کے مالک ہیں۔ پھر زراعت آبادی کے

۱۷ فی صدی حصّے کو پالتی ہے۔ ان میں اکثریت خود کاشت زمیندار اور مزارعان کی ہے۔ زراعتی مزدوروں کی گنتی تھوڑی ہے:۔

اس فصل میں ہمیں سروکار مزدوروں سے ہے جو اُجرت پر کام کرتے ہیں۔ مزدور مزدور میں فرق ہے۔ اور اُجرتوں میں بھی۔ کیا وجہ ہے؟

۱۹۳۴ء میں بمبئی کے سوتی کارخانوں میں اُجرتوں کے متعلق ایک تحقیقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اُجرتیں ۱۷ روپے سے لے کر تقریباً ۱۸۸ روپے ماہوار تھیں۔ چند مثالیں نیچے دی گئی ہیں:۔

مزدور	اوسط اُجرت ماہوار (روپے — آنے)
بھنگی	۱۶ — ۱۵
دھوبی	۱۸ — ۵
چوکیدار	۲۳ — ۵
جمعدار	۳۴ — ۱
معمار	۴۲ — ۱۳
اعلےٰ ترکھان	۵۸ — ۱۳
اعلےٰ موٹر مستری	۸۸ — ۵

سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ بھنگی کو تقریباً ۱۷ روپے اور معمار کو تقریباً ۴۳ روپے ماہوار کیوں ملیں۔ دونوں کو برابر اُجرت کیوں نہیں ملتی؟

ملوں کے مزدُور مل کر کپڑا تیار کرتے ہیں - کپڑا اُن کی مشترکہ محنت کا نتیجہ ہے۔ فرض کرو ایک مہینے میں دس لاکھ گز کپڑا بنا - جب دولت کی تقسیم کا وقت آیا انجنیئر صاحب دس ہزار گز پھاڑ کر لے گئے - اعلےٰ مستری یا ترکھان کو بھی ۲۰۰ ـــ ۴۰۰ گز مل گیا - مگر ادنےٰ مزدُور یا بھنگی کو ۵۰ ـــ ۶۰ گز - یہ فرق کیوں ؟

تم مکان بنوا رہے ہو - اور کام ٹھیکے کا نہیں ہے - امانی ہے - تم خود مزدُور مستری معمار ملازم رکھتے ہو - مزدور کو جو ٹوکری ڈھوئیگا - یا معماروں کو ہٹّی چُونا پہنچائیگا دس آنے دیتے ہو - اور معمار کو ایک روپیہ چار آنے - معماروں پر آپ کی نظرِ عنایت کیوں ہے - اَور مزدوروں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے کہ دس آنے دے کر ٹال دِیا *

تم کہوگے کہ شرح یہی ہے - دس آنے میں مزدور مل جاتے ہیں - اور معماروں کو سوا روپیہ روزانہ دیا جاتا ہے - شرح کیونکر مقرر ہوئی - اور کس نے مقرر کی ؟

یہی سوال ہم پہلے بھی اُٹھا چکے ہیں اَور حقیقت میں جواب دیا جا چکا ہے - دَولت کی تقسیم نیا حل طلب معمّہ نہیں ہے *

اوّل محنت کے قیاس کو لو۔ معمار اور مزدور دونو محنت سے روٹی کماتے ہیں۔ یہ کون فیصلہ کریگا کہ معمار کو اپنے کام میں مزدور کے مقابلے میں دُگنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ ٹوکریاں ڈھوتے ڈھوتے مزدُور کی گردن رہ جاتی ہے۔ کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ معمار کا کیا ہے۔ ہیٹ لگا لی۔ اور بیٹھے بیٹھے کھُٹ کھُٹ کیا کئے۔ جب ذرا تھکے حُقّے کے دو دم لگا لئے ؀

اگر اس مضمون پر کسی معمار اور مزدُور میں بحث چھڑ جائے۔ تو قلمبند کرنے کے قابل ہوگی ؀

معمار۔ جا جا۔ محنت کا سگا بنا پھرتا ہے۔ عقل بھی ہے۔ ٹوکری کون نہیں ڈھو سکتا۔ مگر ذرا ایک اینٹ تو سیدھی لگا کر دِکھا ؀

مزدُور۔ عقل کے چاچا۔ ٹوکری ڈھونی پڑے تو دو دِن میں عقل ٹھکانے آ جائے۔ تم لوگ مُفت کی کھاتے ہو۔ محنت کی کمائی ہماری ہے ؀

مگر سچ پُوچھو۔ تو مفت کی کالج کے پروفیسر کھاتے ہیں۔ سال میں چھ مہینے تو وَیسے ہی کالج بند رہتا ہے۔ جب کالج کھُلا ہے۔ دو تین گھنٹے پروفیسر صاحب نے ٹیں ٹیں کی اور تنخواہ کے حقدار ہو گئے ؀

مان لیا کہ معمار عقل سے کام لیتا ہے۔ یا معمار کو کام سیکھنے کی ضرورت ہے۔ مگر یہ ثابت

نہیں ہو سکتا کہ معمار کو دُگنی مزدوری دُگنی محنت کی وجہ سے ملتی ہے +

فرض کرو مزدور ہندوستان چھوڑ کر امریکہ اور آسٹریلیا میں جا بسیں۔ مگر معماروں کو باہر جانے کی اجازت نہیں۔ یا یہ کہ وبا آئی اور مزدوروں کو لے گئی۔ مگر معمار اس کی زد میں نہ آئے۔ اگر معماروں کے مقابلے میں مزدوروں کی تعداد تھوڑ جائے یا مزدوروں کے مقابلے میں معماروں کی تعداد بڑھ جائے۔ مزدوروں کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوگا۔ اور معماروں کی بے قدری ہوگی +

اسی طرح جس طرح آج کل پڑھے لکھوں کی بے قدری ہے۔ تیس سال پہلے بی۔اے پاس کو اوسطاً ۶۰ ــ ۷۰ روپے ماہوار ملتے تھے۔ اب ۳۵ روپے ملتے ہیں۔ پچھلے ۱۰ ــ ۱۲ سالوں میں وکیلوں کی اوسط آمدنی آدھی رہ گئی ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آج کل وکیل پہلے کے مقابلے میں آدھی محنت کرتے ہیں یا نصف محنت سے تیار ہوتے ہیں +

آخری ضرورت کو بیچ میں لائے بغیر دولت کی تقسیم کا معمّہ حل نہیں ہو سکتا +

ایک آسان مثال لو۔ گھر کے کام کے لئے تمہیں آدمیوں کی ضرورت ہے۔ گھر بڑا ہے۔ میاں بیوی۔

ماں باپ - چار پانچ بچے اور ایک دو چاچا تاؤ۔آمدنی ۲۵۰ روپے ماہوار۔ ایک آدمی کی حد سے زیادہ ضرورت ہے - روٹی بنانے بھانڈے برتن مانجھنے اور پانی بھرنے کے لئے - ایک آدمی اگر بیس روپے ماہوار پر بھی کام کے لئے ملے تم خوشی سے رکھ لوگے۔اگر دو رکھّو تو اور بھی آسانی ہو جائے - اور آرام ملے - ایک آدمی روٹی بنائیگا۔ دُوسرا اُوپر کا کام کرے گا۔ شاید تین بھی رکھ لو۔ مگر چار پانچ چھ کبھی نہ رکھوگے۔ تنخواہ زیادہ دینی پڑیگی۔ اور تنخواہ کے مطابق آرام نہیں ملے گا - جُوں جُوں نوکر زیادہ رکھوگے نوکروں کی آخری ضرورت گھٹتی جائے گی ؂

نوکر	آخری ضرورت روپوں میں
پہلا	۲۰
دوسرا	۱۶
تیسرا	۱۲
چوتھا	۸
پانچواں	۴
چھٹا	۰

چھٹے نوکر کی آخری ضرورت صِفر کے برابر ہے۔ یعنی اس کے لئے کام نہیں ہے - خالی رہیگا - اور دِن بھر مکھیاں مارا کریگا ؂

اگر شرح تنخواہ ۱۲ روپے ماہوار ہے۔ تو تم تین آدمی رکھو گے۔ چوتھا نہیں۔ ہم نے فرض کیا ہے کہ آدمیوں میں فرق نہیں ہے۔ یعنی چھ کے چھ ایک سے ہوشیار محنتی اور دیانت دار ہیں۔ آخری ضرورت کے گھٹنے کی وجہ یہ نہیں کہ تیسرا دوسرے سے زیادہ نکما ہے اور چوتھا تیسرے سے۔ نہیں۔ جس طرح ایک جیسے بڑے اور لذیذ رس گلے کھانے سے رس گلوں کی آخری ضرورت گھٹتی جاتی ہے۔ اسی طرح ملازموں کی تعداد بڑھنے سے ان کی آخری ضرورت گھٹے گی ٭

معماروں کی اُجرت ان کی آخری ضرورت کا اظہار کرتی ہے۔ ایک طرف معماروں کی تعداد جو کام کے متلاشی ہیں۔ دوسری طرف معماروں کے لئے کام۔ اگر کام نہ رہے تو معماروں کی آخری ضرورت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگر مانگ بڑھ جائے معماروں کی آخری ضرورت بڑھ جائے گی۔ اور اُن کی اُجرت میں اضافہ ہوگا۔ مانگ گھٹ جائے تو آخری ضرورت گھٹے گی۔ اور معماروں کو کم اُجرت ملے گی ٭

پچھلے دس بارہ سالوں میں سرد بازاری کی وجہ سے وکیلوں کا کام گھٹ گیا۔ مگر وکیلوں کی تعداد سال بسال بڑھ رہی ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ ایک

وکیل کتنی محنت سے تیار ہوتا ہے +

پہلے ولایت کے پڑھے ہوئے ہندوستانی کو ۲۵۰ روپے ماہوار کی سرکاری نوکری محکمہ تعلیم میں آسانی سے مل جاتی تھی۔اب ۱۵۰ روپے بھی غنیمت ہیں۔ بلکہ مبارک ہیں وہ نوجوان جنہیں آٹھ دس ہزار روپے ولایت میں تعلیم پر خرچ کرکے ۱۵۰ روپے کی نوکری مل گئی ہے +

تم شاید کہو کہ ولایتی ڈگری کی قدر زیادہ اس وجہ سے ہے کہ ولایتی ڈگری حاصل کرنے کے لئے خرچ زیادہ کرنا پڑتا ہے یا اس میں زیادہ محنت منجمد ہے۔خرچ زیادہ ہوا کرے۔ولایتی ڈگری میں محنت ہمالیہ پہاڑ کے برابر منجمد ہو۔اس سے بحث نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کسی وقت کام کے مقابلے میں ولایتی ڈگری یافتوں کی تعداد کتنی ہے۔ مانگ اور تعداد کے رشتے سے ان کی آخری ضرورت نکلے گی۔ جو تنخواہ سے ظاہر ہوگی۔آج یا کل ہی نہیں ہمیشہ +

دو تین سال ہوئے پولیس میں کانسٹیبلوں کی بھرتی ہوئی۔بہت سے بی۔اے اور ایم۔اے بھی اُمیدواروں میں شامل تھے۔صاحب بہادر نے ملاقات کے لئے جالندھر شہر بلایا۔دو سو نوجوان حاضر خدمت ہوئے۔ شاید آسامیاں ۶ خالی تھیں۔اُمیدواروں کی فوج دیکھ کر

صاحب بہادر گھبرا گئے۔ کس طرح فیصلہ کیا جائے۔ آخرکار اُمیدواروں کو حکم ملا کہ جالندھر شہر سے چھاؤنی تک دَوڑ لگائیں۔ گریجویٹ بھی اس دَوڑ میں شامل ہوئے۔
کالج کی پڑھائی کا خرچ کم سے کم چالیس پچاس روپے ماہوار ہے۔ مگر بی۔اے پاس کرکے گھر خالی بیٹھنے سے کانسٹیبلی بہتر ہے۔

مزدوری کام کے اَور وقت کے لحاظ سے

مزدوری دو طرح دی جاتی ہے۔ کام کے مطابق۔ اَور وقت کے لحاظ سے۔ جیسے روزانہ یا ماہواری تنخواہ ملتی ہے وقت کے لحاظ سے مزدُوری ملی۔ یعنی روزانہ ایک روپیہ یا ماہواری ۲۵ یا ۳۰ روپے۔ یا دو سو یا دو ہزار روپے۔
معماروں کو کام کے مطابق اُجرت دی جا سکتی ہے۔ مثلاً چنائی پر۔ دیوالی کے موقع پر مکانوں اَور دکانوں میں سفیدی ہُوا کرتی ہے۔ چاہو مزدُور روزانہ اُجرت پر رکھ لو۔ چاہو دو تین آدمیوں کو ٹھیکہ دے دو۔
جب مزدوری کام کے مطابق ملتی ہے۔ مزدُور نہایت پھُرتی سے کام کرتے ہیں۔ مگر جلدی میں کام بگڑ جانے کا ڈر رہتا ہے۔

رُوس میں عام طور پر کام کے مطابق اُجرت دی جاتی ہے۔اور کام زیادہ ہو۔ تو اُجرت کی شرح بھی بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً ریلیں مہینے میں اوسطاً ۲۱۰۰ کلومیٹر فاصلہ طے کریں (ایک کلومیٹر برابر ⅝ میل) تو انجن ڈرائیور کو فی کلومیٹر ۲۲ کوپاک اُجرت ملتی ہے (۱۰۰ کوپاک = ایک روبل = ۲ آنے) اگر زیادہ فاصلہ طے کریں مگر دس فی صدی سے کم۔ تو ۴۴ کوپاک فی کلومیٹر۔ اور اگر دس فی صدی سے زیادہ کا اضافہ ہو۔ تو ۶۶ کوپاک فی کلومیٹر۔

کالجوں میں پروفیسروں کو وقت کے لحاظ سے تنخواہ ملتی ہے۔ لکچروں کے لحاظ سے نہیں۔اگر ایک لکچر روز کے پانچ روپے ملیں۔دو لکچر روز کے فی لکچر دس روپے۔ اور دو سے زیادہ فی روز کے ۱۵ روپے فی لکچر تو پروفیسر صاحبان صبح ۶ بجے کالج جا بیٹھا کریں اور بارہ بجے سے پہلے ٹلنے کا نام نہ لیں۔

مگر جسے پانچ چھ لکچر روز دینے پڑینگے۔وہ لکچر بھی برائے نام دیگا۔ گھر سے تیاری کرکے نہ جائیگا۔ جماعت وقت پر نہ لیگا۔ اور گھنٹہ ختم ہونے سے پہلے جماعت چھوڑ دیا کریگا۔

آمدنی بڑھانے کے لالچ سے مزدور صحت بھی بگاڑ

لیتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں مزدوروں کے جتھے کام کے مطابق اجرت کی مخالفت کرتے ہیں۔ مگر رُوس کا باوا آدم نرالا ہے۔ بالشویکوں کا خیال ہے کہ کام کے مطابق اُجرت دینے سے پیدا وار اتنی بڑھ جائے گی۔ کہ جلد ہی سوشلزم کیمونزم میں بدل جائیگا۔ یعنی نظام زر اُڑ جائیگا۔ پیدا کی ہوئی دولت گوداموں میں بھر دی جائیگی۔ گوداموں کے دروازے کھول دئے جائینگے۔ اور دولت کی تقسیم ضرورت کے مطابق شروع ہوجائیگی۔ یعنی جس کو جتنی جو چیز چاہیئے گوداموں میں سے مُفت اُٹھا کر لے جائیگا۔ اپنی ہمّت اور طاقت کے مطابق ہر کوئی کام کرے گا۔ اور ضرورت کے مطابق کھائیگا۔

بالشویک اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ جس دن بھی کیمونزم کے اس اصُول کے مطابق عمل شروع ہُوا۔ پیدا وار یک دم گر جائیگی۔ اور کیمونزم کا خاتمہ ہوگا۔ رُوس کا انقلاب نیا نہیں۔ ۲۲ سال سے رُوس میں اشتراکیت کا قصر تیار ہو رہا ہے۔ روسی مارکس کے پیرو ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ سوشلزم کی منزل انھوں نے جالی ہے۔ سوال ہوتا ہے۔ کہ کیمونزم کی منزل کتنی دُور رہ گئی ہے۔ دُنیا کو بہکانے کے لئے اب بالشویکوں نے نیا راگ الاپنا شروع کیا ہے۔ مارکس نے کام

کے مطابق اجرت کی مذمّت کی تھی - اور کہا تھا کہ اُجرت دینے کا یہ طریقہ سرمایہ دارانہ نظام کے لئے نہایت موزُوں ہے - بالشویکوں نے اپنی عقل اور تجربے کے زور سے معلوم کیا ہے کہ سوشلزم کو کمیونزم میں بدلنے کے لئے اُجرت کام کے مطابق ملنی چاہیئے - واہ - واہ - خُوب - بہت خُوب +

مزدوری کی قوّت خرید

مزدور کو مزدوری روپوں میں ملتی ہے - مگر ہم بتا چکے ہیں کہ روپے نہ کھانے کے کام کے نہ پینے کے - خواہشات پوری کرنے کے لئے روپوں کو اشیائے ضرورت میں بدلنا ضروری ہے +

قیمتیں ہمیشہ ایک سی نہیں رہتیں - قیمتوں کے گھٹنے سے مزدُوری یا اُجرت کی قوت خرید بڑھ جاتی ہے - قیمتوں کے بڑھنے کا اُلٹا اثر ہے +

آج کل کنک کا بھاؤ دو روپے من ہے سکّھوں کے زمانے میں اگر روپے کی من سے کم کنک ملتی تو لوگ کہتے - کہ سما مہنگا ہے - اکبر کے عہد میں روپے کی تقریباً ۲½ من کنک اور روپے کے تقریباً ۳½ من چنے ملتے تھے +

جب بھی دو ملکوں میں مزدُوری کا مقابلہ کرنا ہو

یہ معلوم کرنا ضروری ہے۔ کہ دونوں جگہ زر کی قوت خرید کتنی ہے +

مثلاً رُوس اور ہندوستان کو لو۔

رُوس کے تجارتی وفد نے جو برطانیہ پہنچا ہوا تھا دسمبر ۱۹۳۷ء میں ایک رپورٹ چھاپی۔ اس رپورٹ میں رُوس کی مختلف صنعتوں کی اوسط ماہواری اُجرتوں کی مفصلہ ذیل شرحیں درج تھیں۔ (دیکھو میری انگریزی کی کتاب مارکسزم از ڈیڈ۔ فصل پنجم) +

صنعت	رُوبل ماہوار
باربرداری	۲۸۳ $\frac{1}{2}$
بھاری صنعتیں	۲۸۰ $\frac{1}{2}$
ہلکی صنعتیں	۱۹۶ $\frac{1}{2}$
خوراک کی صنعتیں	۲۰۱
صنعت چوب	۱۹۸

بھاری صنعتوں سے مُراد ہے جیسے لوہے فولاد کے کارخانے۔ ہلکی صنعت جیسے کپڑے موزے بنیان بنانے کی +

پانچوں رقموں کو جمع کر کے پانچ پر تقسیم کرو۔ اوسط ۲۳۲ روبل نکلتی ہے۔ مگر بھاری صنعتوں میں زیادہ مزدور ملازم ہیں۔ مان لو کہ اوسط تنخواہ رُوس میں ۲۵۰ رُوبل ماہوار ہے +

اگر ایک روپیہ ایک روبل کے برابر ہو - یعنی ایک روبل میں اتنا ہی آٹا دال گھی مکھن - جوتے کپڑے خریدے جا سکیں - جتنے ایک روپے میں - تو روسی مزدور نہایت ہی خوشحال ہیں - ہندوستان میں کالج کے پروفیسروں کی تنخواہ بھی اوسطاً ۲۵۰ روپے ماہوار نہیں ہے - کارخانوں کے مزدوروں کا تو ذکر ہی کیا +

سرکاری شرح تبادلہ کے مطابق برطانوی پونڈ سٹرلنگ ۲۶ روبل کے برابر ہے - اس حساب سے ایک روپیہ تقریباً دو روبلوں کے برابر ہوا - اور ۲۵۰ روبل ۱۲۵ روپے کے برابر ہوئے - آجکل ہمارے ملک میں خوش نصیب ایم - اے کو جس نے درجہ اوّل میں امتحان پاس کیا ہے - مشکل سے ۱۲۵ روپے ماہوار کی نوکری ملے گی +

سرکاری شرح تبادلہ تو پونڈ سٹرلنگ = ۲۶ روبل ہے - مگر غیر سرکاری طور پر روس میں ایک پونڈ سٹرلنگ کے بدلے میں ۸۰ اور ۱۰۰ روبل بھی مل جاتے ہیں - سرکاری شرح تبادلہ کچھ معنی نہیں رکھتی - روپے اور روبل کی قوت خرید قیمتوں کے ذریعے معلوم کرنی چاہیئے +

نقشہ قوّت خرید رُوبل و روپیہ

اشیائے خوردنی	رُوس میں قیمت - رُوبل	انگلستان میں قیمت	لاہور میں قیمت (پائی — آنے — روپے)	انڈکس
آٹا کنک - فی پونڈ	۱ ۸۲/۱۰۰ - ۲ ۵۴/۱۰۰	۲ ۱/۲ پنس	۹ — ۰ — ۰	۳۹
گوشت - ″	۳ ۱۸/۱۰۰ - ۵ ۴۵/۱۰۰	۴ ۱/۴ پنس - ۱ شلنگ ۴ ۱/۴ پنس	۰ — ۴ — ۰	۱۲
کھانڈ ″	۱ ۷۳/۱۰۰ - ۱ ۸۲/۱۰۰	۲ ۱/۲ - ۳ پنس	۰ — ۲ — ۰	۱۴
مکھن ″	۶ ۸۱/۱۰۰ - ۹ ۹/۱۰۰	۱ شلنگ ۴ ۱/۲ پنس - ۱ شلنگ ۵ ۳/۴ پنس	۰ — ۰ — ۱	۶
آلو فی ۷ پونڈ	۱ ۹۱/۱۰۰	۶ ۱/۴ پنس	۰ — ۷ — ۰	۴
انڈے - درجن	۶ ۳/۵ — ۹	۲ ۱/۲ شلنگ	۰ — ۸ — ۰	۱۳
پیاز - فی پونڈ	۱/۲	۲ پنس	۹ — ۰ — ۰	۱۱
گوبھی ″	۲۷/۱۰۰	۱ ۱/۲ پنس	۰ — ۱ — ۰	۴
گاجر ″	۲۷/۱۰۰	۲ پنس	۶ — ۰ — ۰	۸

اشیائے خوردنی	رُوس میں قیمت۔ رُوبل	انگلستان میں قیمت	لاہور میں قیمت	انڈکس
ٹماٹر۔ فی پونڈ	۲ $\frac{۲۷}{۱۰۰}$	۴ پنس اور ۶ پنس	روپے ۰ — آنے ۴ — پائی ۰	۹
پوشاک				
مردوں کے جاڑے کے کوٹ	۵۰۰ — ۱۵۰۰	۱½ پونڈ — ۳½ پونڈ	۴۷ — ۰ — ۰	۱۰
" کی برساتی	۲۰۰ — ۳۰۰	۱۴½ شلنگ — ۲۱ شلنگ	۱۴ — ۰ — ۰	۱۴
" کے سوٹ	۷۰۰ — ۱۲۰۰	۱½ پونڈ — ۲¾ پونڈ	۵۰ — ۰ — ۰	۱۴
" کی ہیٹ	۲۵ — ۴۰	۵½ شلنگ — ۷½ شلنگ	۵ — ۰ — ۰	۵
" کے جوتے جوڑی	۱۵۰ — ۳۰۰	۸ شلنگ ۱۱ پنس — ۱۸ شلنگ ۱۱ پنس	۱۳ — ۰ — ۰	۱۱
" کی قمیض	۳۲ — ۴۶	۳ شلنگ ۱۱ پنس — ۸ شلنگ ۱۱ پنس	۶ — ۰ — ۰	۵

آخری خانے میں لاہور کی قیمت کا مقابلہ رُوس کی قیمت سے کیا گیا ہے۔ رُوس اور برطانیہ کی قیمتیں دسمبر ۱۹۳۷ء کی ہیں۔ اور لاہور کی دسمبر ۱۹۳۸ء کی۔ مگر لاہور میں دسمبر ۱۹۳۷ء میں بھی لگ بھگ یہی قیمتیں تھیں +

جہاں رُوس کی دو قیمتیں دکھائی ہیں۔ مثلاً کنک ۱ ۸۲/۱۰۰ رُوبل سے ۲ ۵۴/۱۰۰ رُوبل تک۔ لاہور کی قیمت کا رُوس کی نچلی قیمت سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ نتیجہ انڈکس ہندسہ ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً ۸۲/۱۰۰ ۱ رُوبل کا ایک پونڈ آٹا آیا۔ پونڈ برابر آدھ سیر۔ لاہور میں آدھ سیر آٹا ۳ پیسے کا۔ روپے کا ۱۰ ۲/۳ سیر ہوا۔ رُوس میں ۱۰ ۲/۳ سیر کنک کا آٹا خریدنے کے لئے تقریباً ۳۹ رُوبل درکار ہونگے۔ کنک کا آٹا خریدنے میں روبل کے مقابلے میں روپے کی قوت خرید تقریباً ۳۹ گُنی زیادہ ہے +

مکھن کی جگہ اگر ہم گھی لیں۔ تو روپے کی قوت خرید رُوبل کے مقابلے میں دس گُنی زیادہ ہے +

اشیائے خوردنی خریدنے میں جن کا اُوپر کے نقشے میں ذکر ہے اوسطاً روپے کی قوت خرید ۱۲ روبل کے برابر ہے +

کپڑے جُوتوں وغیرہ کی قیمتیں جو روپوں میں دکھائی ہیں - حقیقت میں انگلستان کی قیمتیں ہیں - جاڑے کا خاصا اچھا سُوٹ لاہور میں ۳۰ - ۳۵ روپے میں تیار ہو جاتا ہے - اچھی جُوتوں کی جوڑی ۶ - ۷ روپے میں مل جاتی ہے - اچھی قمیص ۳ - ۲½ روپے میں - مگر برطانیہ کی قیمتوں کو لاہور کی قیمتیں فرض کرکے روپے کی قوت خرید روبل کے مقابلے میں کپڑے جُوتے خریدنے میں ۱۰ گُنی زیادہ ہے *

کم سے کم ایک روپیہ ۸ روبلوں کے برابر ہے - حقیقت میں روپے کی قوت خرید اگر ہم ۱۰ روبلوں کے برابر مانیں تو غلطی نہیں کرینگے *

سرکاری اعداد کے مطابق رُوس میں صنعتی مزدُوروں کی اوسط ماہوار تنخواہ ۲۵۰ روبل نکلتی ہے - ۸ روبل فی روپے کے حساب سے یہ رقم ۳۱¼ روپے کے برابر ہوئی *

رُوس میں مزدُوروں کو مُفت خدمات بھی حاصل ہیں - مثلاً مفت علاج - چھُٹیاں مع تنخواہ - ہوتا یُوں ہے کہ جب مزدُور کو تنخواہ ملتی ہے - کارخانے کا ڈائرکٹر تنخواہ کے ۳۰ فی صدی کے برابر چیک حکومت کے نام کاٹ دیتا ہے - گویا ہر مزدور کی تنخواہ اِس چیک کو ملا کر تقریباً تہائی بڑھ گئی *

فرض کرو کسی سال حکومت کو اس طرح ۱۲۰۰ کروڑ روبل کی رقم ملی - اگر حکومت روس ۱۲۰۰ کروڑ روبل اس سال میں مزدوروں کے لئے مُفت سہولتیں مُہیّا کرنے پر خرچ کرے تو بیشک مجموعی طور پر مزدُوروں کی تنخواہ میں ۳۰ فی صدی اضافہ ہو گیا۔ مگر حکومت کے بجٹ سے ظاہر ہے - کہ حکومت کو ۱۲۰۰ کروڑ روبل ملیں - تو ان سہولیتوں پر خرچ کرتی ہے ۶۵۰ کروڑ روبل - یعنی ۳۰ فی صدی نہیں ۱۵ فیصدی۔ باقی ۱۵ فی صدی رقم حکومت نے ہضم کی۔تنخواہوں میں اضافہ ۳۰ فی صدی کی بجائے ۱۵ فی صدی مانا جائے گا (تنخواہوں کی کُل رقم = ۴۰۰۰ کروڑ روبل) +

پھر رُوس میں مزدُوروں کو پُوری تنخواہ نہیں ملتی۔ تنخواہ کا دس فی صدی حِصّہ ہر مزدُور حکومت کو قرضے کے طور پر دیتا ہے۔چندے اور محصُول بھی ادا کرنے ہوتے ہیں - تنخواہ ملتی پیچھے ہے - پہلے ۱۵ - ۲۱ فی صدی تنخواہ کا حِصّہ کٹ جاتا ہے +

یوُں سمجھ لو کہ جو تنخواہ کٹی مفت سہولیتوں یا خدمات لئے پُوری کر دی - اوسط تنخواہ ۱ یعنی ۲۵۰ روبل ماہوار میں نہ کچھ جمع کرنے کی ضرورت رہی نہ اس میں سے کچھ نفی کرنے کی +

ہندوستان صنعتی لحاظ سے روس سے بہت پیچھے

ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صنعتی پیدا وار کے میدان میں روس امریکہ کو چھوڑ کر دُنیا بھر سے آگے نکل گیا ہے۔ پھر یہ بھی بالشویکوں کا دعوے ہے کہ لُوٹ کھسوٹ رُوس میں بند ہو گئی ہے +

ہندوستان اوّل غلام مُلک۔ دوم سرمایہ داری کے بندوں میں جکڑا ہؤا۔ تعجّب کا مقام ہے کہ بمبئی کے صنعتی مزدوروں کی قوّت خرید رُوسی مزدُوروں کے مقابلے میں کم ہی نہیں شاید زیادہ ہے +

صنعت انجنیئرنگ میں اوسط ماہوار تنخواہ ۳۹ روپے ۳ آنے ۱۰ پائی ہے۔ برابر تقریباً ۳۱۴ روبل۔ یہ اوسط ۱۹۳۴ء کی ہے۔ دسمبر ۱۹۳۷ء میں رُوس کی کسی صنعت میں بھی خواہ بھاری خواہ ہلکی اوسط تنخواہ ۲۸۳ $\frac{1}{2}$ روبل سے زیادہ نہیں تھی +

صُوبہ بمبئی کے کُل سُوتی کارخانوں کے کُل مزدُوروں کی اوسط ماہواری تنخواہ ۱۹۳۸ء میں $\frac{4}{5}$ ۲۷ روپے نکلتی ہے۔ جو ۲۲۳ روبل کے برابر ہے۔ دسمبر ۱۹۳۷ء میں رُوسی ہلکی صنعتوں میں اوسط تنخواہ $\frac{1}{2}$ ۱۹۶ روبل تھی۔ یا ہندوستان سے کم +

مارچ ۱۹۳۹ء میں دہلی میں ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مسز منشی ایم۔ ایل۔ اے بمبئی (حکومت بمبئی کے وزیر مسٹر منشی کی دھرم پتنی) نے فرمایا کہ

حکومت بمبئی نے کم سے کم تنخواہ ۲۵ روپے ماہوار مقرر کی ہے ۔ ۲۵ روپے ماہوار ۲۰۰ روبل کے برابر ہوئے ؎

زر کی قوت خرید میں بین الاقوامی فرق

سمجھ میں آ جانا چاہیئے کہ جب بھی ایک مُلک کے مزدُوروں کی خوشحالی یا بد حالی کا دوسرے ملک کے مزدُوروں سے مقابلہ کیا جائے ۔ تنخواہوں کے علاوہ زر کی قوت خرید کا بھی مقابلہ کرنا ہوگا ؎

ہر ملک کے زر کی قوت خرید جُدا جُدا ہوتی ہے ؎

۱۹۲۷ء میں جیسا ہم پہلے بتا چکے ہیں روپیہ سونے کے ۱۸ پنس کے برابر مانا گیا یا روپیہ برابر تقریباً ۸½ گرین سونا ۔ حکومت نے یہ شرح ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء تک قائم رکھی ۔ مگر شرح تبادلہ کے یہ معنی نہیں کہ روپے کی قوت خرید ولایت کے ۱۸ پنس کی قوت خرید کے برابر ہے ؎

فرض کرو گندم کے لئے تمام دُنیا ایک منڈی ہے ۔ دُنیا بھر میں گندم کی قیمت برابر ہوگی (باربرداری کے خرچ کو نظر انداز کرکے) ۔ اب اگر شرح تبادلہ ۱۸ پنس فی روپیہ ہے اور لندن میں گندم کی ڈبل

یورپ کی قیمت ایک پونڈ سٹرلنگ ہے تو ہندوستان
میں لازمی طور پر ۱۳½ روپے ہوگی - اگر ہندوستان
میں قیمت کم ہوگی تو گندم کی برآمد شروع ہو
جائیگی - اگر زیادہ تو درآمد - درآمد یا برآمد دونو ملکوں
میں گندم کی قیمت برابر کر دیگی - (درآمد برآمد پر محصول نہیں لگتا)+
اسی طرح باقی تمام اشیاء کی قیمتیں جن کے لئے
تمام دُنیا ایک منڈی ہے - ہر ملک میں برابر
ہونگی - ان اشیاء کے مقابلے میں روپے کی قوت
خرید ۱۸ پنس کی قوت خرید کے برابر ہونی لازمی ہے+
مگر روپے سے ہم وہ اشیاء ہی نہیں خریدتے -
جن کی برآمد درآمد ہوتی ہے - کاشتکار بیل
خریدتا ہے جن کا بین الاقوامی تجارت سے کوئی
سروکار نہیں - گھروں کے ملازم مثلاً باورچی - پنہارا -
بھنگی - دھوبی ایک ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں
جا کر نہیں بس سکتے - بہتیری اشیاء اور بہتیری خدمات
کا روپے کی قوت خرید میں دخل ہے - مگر بین
الاقوامی تجارت میں دخل نہیں +
یورپ کے مقابلے میں اشیاء اور خدمات جن کی
درآمد برآمد نہیں ہندوستان میں سستی ہیں - ذاتی
تجربے کی بنا پر ایک آسان مثال دیتا ہوں +
۲۷-۱۹۲۶ء میں مجھے کچھ عرصہ جرمنی - ہالینڈ اور

لندن میں رہنے کا اتفاق ہؤا۔ شرح تبادلہ روپیہ = ۱۸ پنس (یا ½ ۸ گرین سونا)۔ پونڈ ⅔ ۱۲ روپے کا تھا۔ ایک پونڈ کے ۲۰ جرمن مارک ملتے تھے اور ۱۲ ہالینڈ کے فلورن۔ اس حساب سے مارک ایک شلنگ یا ۱۱ آنے کا ہؤا۔ اور ہالینڈ کا فلورن ایک روپیہ ۲ آنے کا۔

جرمنی میں مجھے سُوٹ پر استری کرانے کی ضرورت پڑی۔ تین مارک تین عدد کپڑوں کے ادا کئے۔ برابر دو روپے ایک آنہ۔ پھر ہالینڈ میں اُسی سُوٹ پر استری کرائی۔ تین فلورن ادا کئے۔ برابر تین روپے ۶ آنے۔ لاہور واپس آ کر پھر اُسی سوٹ پر استری کرائی۔ درزی کو ۶ آنے دئے۔ ۲ آنے فی کپڑا۔ خوش ہو کر لے گیا۔ جس کا جی چاہے درزی یا دھوبی کو ۶ آنے دے کر سُوٹ پر استری کرا لے۔ درزی دھوبیوں کی خدمات ہندوستان میں سستی ہیں اور یورپ میں مہنگی۔

ہالینڈ میں ۶۵ فلورن خرچ کرکے میں نے ہلکا لمبا کوٹ خریدا۔ برابر ۷۳ روپے۔ کوٹ ڈھیلا ڈھالا تھا۔ پُوچھا کہ اسی کپڑے کا میری ماپ کا لمبا کوٹ بنا دوگے۔ کہا ہاں۔ ۱۵ فلورن سلائی کے اور دینے پڑینگے۔ برابر ۱۷ روپے۔

اس سلائی میں ہندوستان میں کشمیر کی پٹی کا لمبے کوٹ کا کپڑا بھی مل جائے گا اور کوٹ سل بھی جائے گا۔

مزدوری کی قوت خرید کو دیکھیں۔ تو ہندوستانی مزدوروں کا حال رُوس کے مزدوروں سے بدتر نہیں شاید بہتر ہی ہو۔ رُوسی مزدُوروں کے مقابلے میں جرمن مزدوروں کی قوت خرید تقریباً دُگنی زیادہ ہے۔ اور برطانیہ کے مزدوروں کی تقریباً چوگنی۔

ہڑتالیں

ہر مُلک میں مزدُوروں کی جتھا بندی ہے۔ جتھا بندی نے مزدوروں کی حالت سُدھارنے میں بڑی مدد دی ہے۔ کارخانے دار کا مقابلہ مزدُور جتھا بند ہو کر ہی کر سکتے ہیں نہتے نہیں۔

اگر کسی صنعت کے مزدوروں کی جتھا بندی مکمّل ہو۔ تو ان کا گویا اجارہ قائم ہو گیا اور آخری ضرورت کے قانون کا عمل ختم ہوُا۔

اگر کوئی کاتب کہے کہ مَیں ۱۶ صفحے کی کتابت کے ۸ روپے لونگا۔ مَیں کتاب دوسرے کاتب سے لکھوا لونگا۔ جو ۴½ روپے میں ۱۶ صفحے لکھ دے۔ مگر کاتب جتھا بند ہو کر ۸ آنے صفحہ طلب کریں۔

تو کیا نتیجہ ہوگا +

جو کتاب چھپوائے گا - یہ شرح دیگا - مگر کتابوں کی لاگت بڑھ جائے گی - کتابوں کی بکری کم ہو جائے گی اور کاتبوں کے لئے کام کم نکلیگا - جتھا بند ہو کر کاتب کتابت کی جو جی چاہے - شرح مقرر نہیں کر سکتے +

یہی حال کارخانوں کے مزدوروں کا ہے - فرض کرو سوتی کارخانوں میں اوسط شرح مزدوری فی یوم ایک روپیہ ہے - اگر مزدور ڈٹ جائیں کہ ہم ایک روپیہ آٹھ آنے فی یوم مزدوری لیں گے ورنہ ہڑتال کر دینگے - جگہ جگہ ہڑتالیں ہونگی - بلوے فساد ہونگے - کارخانے بند ہونے شروع ہونگے اور بہتیرے مزدور بے کار ہو جائینگے - وجہ یہ کہ ایک روپیہ آٹھ آنے فی یوم اوسط مزدوری کپڑے کی لاگت بڑھا دیگی - کپڑے کی کھپت کم ہو جائے گی - اور مزدوروں کے لئے کام کم رہ جائیگا +

اس کے یہ معنی نہیں کہ مزدوری کی جو شرح اب ملتی ہے واجب ہے - مگر واجب شرح کا فیصلہ نہ مزدور کر سکتے ہیں نہ کارخانے دار - کارخانے دار کم سے کم مزدوری دینے کی کوشش کریگا - مزدور زیادہ سے زیادہ مزدوری مانگینگے - فیصلہ ثالث ہی کریگا +

آئے دِن کی ہڑتالوں سے عوّام کو تکلیف ہوتی ہے اور صنعتیں برباد ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں اجازت ہوتی ہے کہ ایک طرف جب کارخانہ دار چاہے کارخانے میں تالا لگا دے۔ اور دوسری طرف مزدور جب ناخوش ہوں ہڑتال کر دیں +

اٹلی اور جرمنی میں نہ مزدُور ہڑتال کر سکتے ہیں۔ نہ کارخانے دار کام بند کر سکتے ہیں۔ جب جھگڑا ہوتا ہے۔ حکومت ثالث مقرر کر کے سمجھوتہ کرا دیتی ہے۔ اگر ثالث فیصلہ نہ کر سکے۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوتا ہے۔ اور عدالت کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے +

رُوس میں بھی حکماً ہڑتالیں بند ہیں +

مزدوروں اور کارخانہ داروں کے جھگڑے چُکانے کا فرض حکومت کے سپُرد ہونا چاہیئے۔ ایک تنخواہ دی جا سکتی ہے ایک تنخواہ نہیں دی جا سکتی۔ کیوں آنے دو آنے روز کی خاطر کام بند ہو۔ گولیاں چلیں اور بے گنُاہوں کا خون بہے۔ بلوہ ہوگا۔ تو بھی حکومت کو مداخلت کرنی پڑے گی۔ کیوں نہیں حکومت خود یا ثالثوں کے ذریعے اُجرتوں اور کارخانہ داروں کے منافع کی جانچ پڑتال کرائے۔ اور فیصلہ کرے کہ واجب اور مناسب اُجرت کیا دی جا سکتی ہے +

مار پیٹ کے مقدمے عدالتوں میں جاتے ہیں۔

کروڑوں روپے کی جائدادوں کے فیصلے حکومت روزانہ کرتی ہے۔ واجب مزدوری کا سوال اتنا پیچیدہ نہیں ہے کہ بغیر ہڑتال اور خون خرابے حل ہی نہ ہو سکے۔

لاہور میں بھنگیوں نے ہڑتال کی۔ تین چار روز میں شہر کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ اگر ایک دو ہفتے ہڑتال جاری رہتی۔ ضرور بیماریاں پھیلتیں۔ ریلوے کی ہڑتال سے بیوپاریوں کا کروڑوں روپے کا نقصان ہوتا ہے۔ اور عوام کو تکلیف الگ ہوتی ہے۔ مزدور کہینگے کہ ہڑتال کرنی ہمارا پیدائشی حق ہے۔ غلط ہے۔ پیدائشی حق واجب مزدوری کا ہے۔ اور واجب مزدوری کا فیصلہ مزدور نہیں کر سکتے۔ ثالث کریگا۔ خواہ حکومت ثالث بنے۔ خواہ غیر جانب دار اشخاص جنہیں حکومت مقرّر کرے۔

سچ یہ ہے۔ کہ اکثر فساد لیڈر کراتے ہیں۔ اور ذاتی اغراض سامنے رکھ کے۔ اگر لیڈری بے غرضانہ ہو تو کوئی جھگڑا نہیں۔ خواہ اقتصادی ہو خواہ سیاسی۔ جس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

انڈکس نمبر

زر کی قوت خرید قیمتوں کے گھٹنے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی گھٹتی ہے۔ قیمتوں کا گھٹنا بڑھنا

انڈکس نمبروں کے ذریعے معلوم کیا جاتا ہے ٭
فرض کرو پانچ چیزیں ہیں - آٹا - گھی - کھانڈ - سوتی کپڑا اور لکڑی - ایک دن مقرر کر لو - اور معلوم کرو کہ اس دن ان پانچ چیزوں کی کیا قیمت تھی - (یا ان کی ہفتے یا مہینے یا سال یا تین یا پانچ سال کی اوسط قیمت معلوم کرو) ٭

نقشہ انڈکس نمبر

چیز	قیمت یکم جون ۱۹۳۹ء	انڈکس نمبر	قیمت یکم جون ۱۹۴۰ء	انڈکس نمبر
	آنے روپے		آنے روپے	
آٹا فی من	۸ — ۲	۱۰۰	۰ — ۲	۸۰
گھی فی من	۰ — ۴۵	۱۰۰	۰ — ۵۰	۱۱۱
کھانڈ فی من	۰ — ۱۰	۱۰۰	۸ — ۸	۸۵
سوتی کپڑا فی گز	۳ — ۰	۱۰۰	۲½ — ۰	۸۳
لکڑی فی من	۰ — ۲	۱۰۰	۱۲ — ۱	۸۸
اوسط		۱۰۰		۸۹

دوسرے خانے میں ہر قیمت کو ۱۰۰ کے برابر مانا ہے - چوتھے خانے میں آٹے کا انڈکس ۸۰ رہ گیا - یعنی ۲۰ فی صدی آٹے کی قیمت گر گئی گھی کی ۱۱ فی صدی بڑھ گئی - آخری خانے کے پانچوں اعداد

کو جمع کرکے پانچ سے تقسیم کیا - معلوم ہُوا کہ اوسطاً قیمتیں ۱۱ فی صدی گریں +

اُوپر کے نقشے میں پانچوں چیزوں کی اہمیّت برابر تسلیم کی گئی ہے - فرض کرو خرچ کو دیکھ کر درجہ اہمیّت میں فرق کرنا ضروری ہے +

چیز		انڈکس یکم جُون ۱۹۳۹ء	انڈکس یکم جُون ۱۹۴۰ء
آٹا	(۲)	۲۰۰ = ۲ × ۱۰۰	۱۶۰ = ۲ × ۸۰
گھی	(۵)	۵۰۰ = ۵ × ۱۰۰	۵۵۵ = ۵ × ۱۱۱
کھانڈ	(۳)	۳۰۰ = ۳ × ۱۰۰	۲۵۵ = ۳ × ۸۵
سُوتی کپڑا	(۱)	۱۰۰ = ۱ × ۱۰۰	۸۳ = ۱ × ۸۳
لکڑی	(۳)	۳۰۰ = ۳ × ۱۰۰	۲۶۴ = ۳ × ۸۸
		۱۰۰	۹۴

براکٹ کے ہندسے ہر چیز کی درجہ اہمیّت بتاتے ہیں - اِن ہندسوں سے انڈکس نمبروں کو ضرب دیا - اور ۱۴ سے کل جمع کو تقسیم کیا - یکم جُون ۱۹۴۰ء کا انڈکس اب ۹۴ نکلا - یعنی اوسطاً قیمتیں ۶ فی صدی گر گئیں +

ہندوستان میں قیمتوں کا سب سے مشہور انڈکس کلکتہ کا سرکاری انڈکس ہے - اس میں تقریباً ۷۵ اشیاء کے نرخ شامل ہیں - کچھ درجہ اہمیّت کا بھی خیال رکھا گیا ہے - مثلاً ۵ قسم کی کھانڈ لے لی - دو طرح کی

چائے - تین قسم کا سن - دو قسم کی کپاس وغیرہ مقابلے کے لئے ۱۹۱۴ء کے نرخ لئے گئے ہیں +

کلکتے کے انڈکس نمبر - جولائی ۱۹۱۴ء = ۱۰۰

سال	انڈکس نمبر	سال	انڈکس نمبر
۱۹۱۵ء	۱۱۲	۱۹۲۷ء	۱۴۸
۱۹۱۶ء	۱۲۸	۱۹۲۸ء	۱۴۵
۱۹۱۷ء	۱۴۵	۱۹۲۹ء	۱۴۱
۱۹۱۸ء	۱۷۶	۱۹۳۰ء	۱۱۶
۱۹۱۹ء	۱۹۶	۱۹۳۱ء	۹۶
۱۹۲۰ء	۲۰۲	۱۹۳۲ء	۹۱
۱۹۲۱ء	۱۷۹	۱۹۳۳ء	۸۷
۱۹۲۲ء	۱۷۶	۱۹۳۴ء	۸۹
۱۹۲۳ء	۱۷۲	۱۹۳۵ء	۹۱
۱۹۲۴ء	۱۷۳	۱۹۳۶ء	۹۱
۱۹۲۵ء	۱۵۹	۱۹۳۷ء	۱۰۲
۱۹۲۶ء	۱۴۸	۱۹۳۸ء	۹۵

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے - کہ جولائی ۱۹۱۴ء کے مقابلے میں ۱۹۲۰ء میں نرخ دگنے سے ذرا زیادہ ہو گئے - پھر گرنے شروع ہوئے - ۱۹۲۹ء میں جس سال سرد بازاری شروع ہوئی - انڈکس ۱۴۱ تھا - یعنی اوسط قیمتیں جولائی ۱۹۱۴ء کے مقابلے میں ۴۱ فی صدی

زیادہ تھیں ۔ ۱۹۳۳ء میں انڈکس ۸۷ رہ گیا ۔ پھر ۱۹۳۷ء تک نرخ بڑھے ۔ مگر ۱۹۳۸ء میں پھر انڈکس گرا ۔

یہ عام اشیاء کی قیمتوں کے انڈکس نمبر ہیں ۔ مزدوروں کے الگ انڈکس نمبر تیار ہوتے ہیں ۔ ان انڈکس نمبروں میں وہ اشیاء شامل کی جاتی ہیں ۔ جن پر کارخانوں کے مزدوروں کی آمدنی خرچ ہوتی ہے ۔ اشیاء میں مکان کا کرایہ اور تعلیم بھی شامل ہے ۔

فرض کرو مزدوروں کے خرچ کا انڈکس نمبر ۲۵ فی صدی بڑھ گیا ۔ اگر ۲۵ فی صدی اُجرت میں اضافہ ہو جائے تو مزدوری کی قوت خرید میں فرق نہ آئیگا ۔

ہندوستان میں پچھلے دس بارہ سالوں میں نرخ گر جانے کے باعث مزدوروں کی قوت خرید بڑھ گئی ہے ۔ بمبئی کی بعض صنعتوں میں (جیسے سوتی کپڑا) اُجرتوں میں بھی اضافہ ہؤا ہے ۔

رُوس کا پتہ نہیں چلتا کہ وہاں ہو کیا رہا ہے ۔ حکومت رُوس پہلے قیمتوں کے انڈکس نمبر کبھی کبھی چھاپا کرتی تھی ۔ مگر ۱۹۳۰ء میں قیمتوں ہی کے انڈکس نمبر نہیں اور اعداد بھی جن سے عوام کی حالت کا پتہ چلتا تھا چھپنے بند ہو گئے ۔ وجہ یہ کہ رُوس کی سرمایہ دارانہ نظام سے جنگ ہے ۔ اور اس جنگ

میں سرمایہ داری کو علم نہیں ہونا چاہیئے کہ رُوس کی اشتراکیت رُوسی مزدوروں کی کیا گت بنا رہی ہے۔ ہمارے ملک میں مزدوروں کے خرچ کے ماہوار مختلف صُوبوں میں ۱۱ انڈکس نمبر چھپتے ہیں۔رُوس میں ایک نہیں۔ نہ حکومت رُوس بتاتی ہے کہ مختلف طبقوں کے مزدُوروں کو پہلے کیا اُجرت ملتی تھی۔ اور اب کیا۔ اور ان اُجرتوں کی قوت خرید یورپ اور امریکہ کے مقابلے میں کتنی ہے۔ رُوس کے بارے میں جو سرکاری کتاب مجھے مل سکی مَیں نے دیکھی۔ کسی کتاب میں روبل کی قوت خرید کا تذکرہ نہیں ہے۔ یہ سیاحوں نے بتایا ہے کہ رُوس میں زر کی قوت خرید گھٹ رہی ہے۔ اور یہاں تک گھٹ گئی ہے کہ روبل کی قوت خرید برطانوی تین پنس کے مشکل سے برابر ہے ⁂

قانون انگلز

مزدوروں کے خرچ کے متعلق انگلز کا ایک مشہور قانون ہے۔ وہ یہ کہ غریب لوگوں کے خرچ میں خوراک کے خرچ کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ جُوں جُوں آمدنی بڑھتی جائے یہ نسبت گھٹتی جاتی ہے + وجہ صاف ہے۔ فرض کرو میری آمدنی ۲۰ روپے

ماہوار ہے۔ ۲۰ روپے میں سے ۱۵ — ۱۶ روپے آٹا دال گھی کے خرچ میں نکل جائینگے۔ خوراک کے خرچ کی کل خرچ سے نسبت ۷۵ — ۸۰ فی صدی ہوگی +

آمدنی سو روپے ماہوار ہو تو ۷۵ — ۸۰ روپے خوراک پر خرچ نہیں ہونگے۔ آمدنی کے پانچ گنا ہو جانے سے میں پانچ گنی زیادہ روٹیاں۔ دال گھی نہیں کھا سکتا +

اگر آمدنی ہزار روپیہ ماہوار ہے۔ تو خوراک کے خرچ کی کل خرچ سے نسبت اور بھی گھٹ جائیگی۔ خواہ کتنا ہی مرغن کھانا میں دونوں وقت کیوں نہ نوش جان فرماؤں +

آمدنی پہلے ضروریات پر خرچ کی جاتی ہے۔ اگر آمدنی قلیل ہے تو تمام کا تمام خرچ ضروریات پر ہوگا اور اُس کا بڑا بھاری حصّہ خوراک پر۔ ضروریات میں خوراک کا نمبر اوّل ہے +

اگر مزدوروں کے خرچ میں خوراک کے خرچ کی نسبت گھٹ رہی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ ان کی اقتصادی حالت پہلے سے بہتر ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ متفرقات پر خرچ مزدور زیادہ کر سکیں گے۔ متفرقات میں تعلیم اور آرام و آسائش۔ دل بہلانے کا سامان

بھی شامل ہے۔

نیچے کے نقشے میں احمد آباد اور بمبئی کے مزدوروں کے مختلف اخراجات کی نسبت دکھائی ہے :-

کنبے کا کُل خرچ سو کے برابر مان کر مختلف اخراجات کی نسبتیں -

اخراجات کی مدیں	احمد آباد کے مزدوروں کے بجٹ ۱۹۲۶ء	احمد آباد کے مزدوروں کے بجٹ ۱۹۳۳-۳۵ء	بمبئی کے مزدوروں کے بجٹ ۱۹۳۲-۳۳ء
خوراک	۵۷ ۹/۱۰۰	۴۹ ۳۱/۱۰۰	۴۶ ۶۰/۱۰۰
ایندھن اور روشنی	۷ ۴/۱۰۰	۶ ۶۵/۱۰۰	۷ ۱۱/۱۰۰
پوشاک - جوتے اور چھتریاں	۹ ۴۵/۱۰۰	۹ ۱۲/۱۰۰	۷ ۷۵/۱۰۰
بستر اور گھر کا سامان	۱ ۱۶/۱۰۰	۳۷/۱۰۰	۱۳/۱۰۰
کرایہ مکان	۱۱ ۷۴/۱۰۰	۱۰ ۹۷/۱۰۰	۱۲ ۸۱/۱۰۰
متفرقات	۱۲ ۷۱/۱۰۰	۲۳ ۵۸/۱۰۰	۲۵ ۶۰/۱۰۰
	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰

۱۹۲۶ء میں احمد آباد کے مزدور کنبے کی کُل آمدنی کا تقریباً ۵۸ فی صدی حصّہ خوراک پر خرچ کرتے تھے - ۱۹۳۳-۳۵ء میں یہ نسبت تقریباً ۴۹ ۱/۳ فی صدی تھی - اسی عرصے میں متفرقات پر خرچ کی نسبت تقریباً

دُگنی ہو گئی۔ مزدوروں کی خوشحالی میں اضافہ ہُوا۔ یا بد حالی گھٹی۔ ۱۹۳۲-۳۳ء میں بمبئی کے مزدُور کُل کنبے کی آمدنی کا ۴۶ ۳/۵ فی صدی حصّہ خوراک پر خرچ کرتے تھے۔ معلوم ہُوا کہ احمد آباد کے مقابلے میں بمبئی کے مزدُور زیادہ خوشحال ہیں ؛

رُوس کے اعداد ملاحظہ ہوں۔

اوسط مزدور کے اخراجات کی مدیں فی مہینہ کوپکوں میں (۱۰۰ کوپک = ایک روبل)

	۱۹۳۰ء	۱۹۳۱ء	۱۹۳۲ء	۱۹۳۳ء	۱۹۳۴ء	۱۹۳۵ء
آمدنی						
کنبے کی آمدنی۔ کُل	۲۲۷۵	۳۴۵۰	۴۱۴۹	۴۷۴۰	۵۹۹۵	۷۶۳۷
خرچ						
خوراک	۱۶۲۷	۲۱۴۲	۲۹۱۳	۳۷۸۷	۴۰۰۴	۵۱۳۷
پوشاک و جُوتے	۴۷۳	۵۳۸	۶۳۴	۶۰۰	۷۹۹	۱۰۴۰
کرایہ مکان	۱۹۸	۲۲۴	۲۳۸	۲۸۰	۳۳۱	۳۸۶
تعلیم وغیرہ	۶۵	۷۷	۷۹	۷۱	۹۰	۱۲۱
صحت کے متعلق	۲۶	۲۴	۳۷	۴۷	۶۲	۸۴
کل میزان	۲۳۸۹	۳۰۱۵	۳۹۰۱	۴۷۹۲	۵۲۸۶	۶۷۶۸
خوراک کے خرچ کی کل خرچ سے نسبت فی صدی	۶۰ ۸/۱۰	۶۲ ۱/۱۰	۷۰ ۲/۱۰	۷۹ ۹/۱۰	۶۶ ۸/۱۰	۶۷ ۳/۱۰

(حوالے کے واسطے دیکھو میری انگریزی کی کتاب مارکسزم از ڈیڈ۔ فصل پنجم صفحہ ۱۶۸)

رُوسی اشتراکیت انوکھی چیز ہے۔ ۱۹۲۸ء میں باترتیب نظام کی رُوس میں بُنیاد پڑی۔ اس نظام کی کامیابی کا اعلان ڈنکے کی چوٹ ہوُا۔ تمام دُنیا دنگ رہ گئی۔ مگر لُطف یہ کہ ۱۹۳۰ء میں مزدُوروں کے بجٹ میں خوراک کی نسبت تقریباً ۶۱ فی صدی اور ۱۹۳۵ء میں ۶۷ فی صدی سے ذرا زیادہ۔ رُوسی مزدوروں کی قسمت کھُل گئی +

اور لُطف کی بات یہ کہ خوراک کے خرچ کی نسبت رُوس میں زیادہ اور احمد آباد اور بمبئی یعنی ہندوستان جیسے گئے بیتے ملک میں کم +

فصل ۲۱

سُود

سُود ایک قیمت ہے جو سرمایہ حاصل کرنے کے لئے دی جاتی ہے +

اگلے زمانے میں سرمایہ لگا کر آمدنی پیدا کرنے کے وسیلے کمتر تھے۔ زیادہ تر لوگ روپیہ آمدنی پیدا کرنے کے لئے قرض نہیں لیتے تھے۔ بلکہ

شادی بیاہ یا ایسی اور ضروریات کے لئے۔ اگر میں شادی بیاہ کے لئے قرض لوں سود دینا شاق گذریگا۔ میں نے کمائی کیا کی۔ جس میں سے سود ادا کروں۔ مگر فرض کرو میں قرض لے کر کارخانہ کھڑا کروں۔ اشیاء بناؤں اور بیچوں۔ اور منافع کماؤں۔ کیا وجہ ہے کہ مجھ سے سود نہ لیا جائے۔ اگر شرح سود دس فی صدی ہے اور میں ۲۰ فیصدی منافع کماتا ہوں تو بآسانی سود دے سکونگا +

سود کو وقت کی قیمت بھی کہا جاتا ہے۔ فرض کرو تم مجھ سے پوچھو کہ کیا لوگے۔ اسی وقت سو روپے نقد یا سال بھر کے بعد۔ میں کہوں گا۔ بھائی پوچھنے کی کیا بات ہے۔ تُرت دان مہا کلیان۔ تُرت دان کی قدر اس وجہ سے بھی ہو سکتی ہے کہ ججمان کی نیّت بدلنے کا ڈر رہتا ہے۔ مگر فرض کر لو۔ مجھے تمہارا اعتبار ہے۔ تم وعدے سے مُکروگے نہیں۔ ضرور سال بھر کے بعد سو روپے دے دوگے۔ پھر بھی میں اسی وقت سو روپے نقد خوش ہو کر لونگا۔ روپے مل گئے تو قوت خرید ہاتھ میں آ گئی۔ روپے لے کر آٹا دال خریدوں۔ کپڑے لتّے بنواؤں۔ یا دوستوں کی ضیافت کروں۔ اگر روپے سال بھر کے بعد ملیں گے تو خرچ ملتوی کرنا پڑیگا +

اگر سال بھر کے لئے مہاجن نے روپیہ قرض دیا ہے تو سال بھر کے لئے اس رقم کی قوت خرید اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ جو حاضر رقم تھی حاضر نہ رہی۔ سال بھر کے لئے غائب ہو گئی۔ حاضر رقم زمانہ حال کی قوت خرید ہے۔ قرض دی ہوئی رقم مہاجن کے لئے زمانہ مستقبل کی قوت خرید بن گئی۔ حال کی قوت خرید کا درجہ مستقبل کی قوت خرید سے اُونچا ہے۔ کتنا اُونچا۔ یہ شرح سُود ظاہر کرتی ہے۔ مثلاً زمانہ حال کے ۱۰۰ روپے برابر زمانہ مستقبل کے ۱۰۵ یا ۱۱۰ روپے کے۔ شرح سُود ۵ یا ۱۰ فی صدی ٹھیری +

مہاجن کے نقطہ خیال سے سود وقت کی قیمت ضرور ہے۔ مگر کاروبار کے لئے سرمایہ قرض اسی صُورت میں لیا جا سکتا ہے کہ سرمایہ سے منافع پیدا ہو۔ سرمایہ سے منافع پیدا ہوتا ہے۔ مگر سرمایہ کا حال رنگتروں اور رس گلوں کا سا ہے۔ سرمایہ دُگنا کرتے جاؤ۔ منافع کی شرح برابر دُگنی ہوتی نہیں چلی جائیگی۔ سرمایہ کی آخری ضرورت رقم کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بتدریج گھٹے گی +

فرض کرو میں شادی بیاہ کے لئے قرض لینا چاہتا ہُوں۔ کم از کم ہزار روپے چاہئیں۔ یہ رقم میں نہیں

پچیس فی صدی سود پر بھی لے لونگا - اگر مہاجن کہے - ہزار اور لے لو - بڑھیا شادی کرنا - بس شاید لے لوں - دوستوں کی پُر تکلّف دعوت کر سکونگا - رنگ برنگی آتشبازی چھوڑونگا - برادری میں نام ہوگا - مگر پھر بھی خیال کرونگا کہ دوسری ہزار کی تھیلی کی اشد ضرورت نہیں جتنی پہلی ہزار کی تھیلی کی تھی - اگر دو ہزار قرض لیا ضرور سود میں کفایت چاہونگا ؛

اگر کارخانہ کھڑا کرنا ہے تو بھی سرمایہ کی مقدار کے ساتھ ساتھ اس کی آخری ضرورت گھٹتی جائیگی - دس ہزار سے ضروری کلیں خریدونگا - کچّا مال لونگا - مزدور نوکر رکھونگا - اس رقم کے لئے میں شاید بیس فی صدی بھی سود دے دوں - زیادہ رقم بھی خرچ کر سکتا ہوں مگر اشد ضروریات پر نہیں - اگر زیادہ رقم قرض لی تو سود میں کفایت چاہونگا ؛

شرح سود دیہات میں کچھ ہے اور شہروں میں کچھ - فرق کیوں ہے ؟

دیہات میں سرمایہ کی کمی ہے - اور سرمایہ کی آخری ضرورت زیادہ - شرح سود سرمایہ کی آخری ضرورت ظاہر کرتی ہے - جس طرح انگور سردے کی قیمت انگور سردوں کی آخری ضرورت کو ؛

ایک طرف مانگ ہے - مانگ کاروبار کے لئے

ہے اور شادی بیاہ یا فضول خرچی کے لئے بھی - مانا فضول خرچی منافع نہیں پیدا کرتی - مگر کار و بار منافع پیدا کرتا ہے - اس سے بحث نہیں کہ تم ہزار کی تھیلی لے کر کنوئیں میں ڈالو گے یا اس سے اور روپیہ پیدا کرو گے - مانگ کے مقابلے میں سرمایہ موجود ہے - ان کے رشتے سے سرمایہ کی آخری ضرورت معلوم ہو گی ؛

دیہات میں لین دین کے کام میں بے ایمانی بہت ہوتی ہے - وجہ پھر سرمایہ کی کمی - قانوناً بے کفالت قرض پر شرح سود ¾ ۱۸ فی صدی مقرر ہوئی ہے - اور باکفالت قرض پر ۱۲ فی صدی - مگر قرض ملنے میں دقت ہو - اور قرض لئے بغیر چارہ نہ ہو - تو قرضخواہ سو لے کر دو سو بھی لکھ دینا ہے - ضرورت باؤلی ہوتی ہے ؛

شہروں میں بھی ہر ایک کو بنکوں سے ایک شرح پر قرض نہیں ملتا - اچھی آسامی کو آسانی سے سستی شرح پر قرض مل جاتا ہے - آسامی کا اعتبار نہ ہو - سود نہ ملنے کا ڈر ہو - اصل ضائع ہو جانے کا خوف ہو - تو اوّل قرض ملے گا ہی نہیں - اور ملا تو کڑی شرائط پر ؛

دیہات میں قرض دینا آسان ہے - مگر قرضے کی وصولی مشکل - اوّل سرمایہ کی کمی - دوم ڈر کہ رقم ماری

جائے گی +

وصولی کے لیئے قرضخواہ کو تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا ہے۔ ڈگری مل گئی پھر بھی وصولی میں ہزار دِقتیں ہیں +

کچھ عرصہ ہُوا حکومت ہند نے بنکوں کے متعلق ایک تحقیقاتی کمیٹی بٹھائی۔ کمیٹی کی رپورٹ ۱۹۲۹ء میں چھپی۔ اس رپورٹ میں شرح سُود پر بھی بحث ہے۔ لکھا ہے کہ شرح سُود جس پر قرض دیا جاتا ہے۔ اَور ہے۔ اَور شرح سود جو حقیقت میں وصول ہوتی ہے اور +

شرح سُود جو قرضدار دینی منظور کرے کچھ معنی نہیں رکھتی۔ اگر وصُول نہیں ہو سکتی +

اسی رپورٹ میں صُوبہ بہار کے بارے میں لکھا ہے کہ اوسط شرح سُود دس فی صدی ہے۔ اجمیر کے افسر انکم ٹیکس نے کمیٹی کو بیان دیا۔ کہ قرضے کی پُوری رقم مہاجن کبھی بھی وصُول نہیں کر سکتے۔ اجمیر کے زمیندارا بنکوں کے منتری نے کہا کہ اگر نقصان کے ڈر کا خیال رکھیں اور اس خرچ کا جو مہاجنوں کو وصُولی کے لئے کرنا پڑتا ہے۔ تو شرح سُود ۶ فی صدی ہے۔ یا کاغذی شرح سُود کی ایک تہائی۔ مُفتی عبدالطیف مُنصف پشاور شہر نے کہا کہ دیہاتی مہاجن دعوے میں ۱۲ سے لے کر ۳۶ فی صدی تک شرح

سُود مانگتے ہیں۔ مگر عدالتیں شاذ و نادر ہی ۱۸ فیصدی سے زیادہ منظور کرتی ہیں۔ عدالتی کارروائی کے خرچ کا خیال کریں۔ تو شرح سُود ۱۲ فی صدی رہ جائیگی۔ اسی طرح شرح نکال کر پنجاب میں بھی سرد بازاری سے پہلے ۱۳ فی صدی سُود سے زیادہ وصُولی نہ تھی۔ آج کل اس سے بھی کم ہے ؀

شرح سُود مُرکّب چیز ہے۔ اس کے جزو مفصلہ ذیل ہیں :-

اوّل۔ وقت کی قیمت۔ یا دَولت جوڑنے یا نہ کھا جانے کا انعام ؀

دوم۔ نقصان کے ڈر کا معاوضہ ؀

سوم۔ حساب کتاب رکھنے اور وصُولی کے لئے تگ و دو کرنے کا معاوضہ ؀

ظاہر ہے کہ جب نقصان کا ڈر نہ ہو۔ نہ لمبا چوڑا حساب رکھنا پڑے۔ اور نہ وصُولی کے لئے تگ و دو کرنی پڑے۔ شرح سُود کم سے کم ہوگی۔ یہ کم سے کم شرح سُود دَولت جوڑنے یا نہ کھا جانے کا اِنعام ہے ؀

حکومتیں بھی قرض لیتی ہیں۔ بعض اوقات حکومت اس شرط پر قرض لیتی ہے۔ کہ فقط سُود ادا کریگی۔ اصل کبھی نہیں۔ مثال ہے۔ برطانوی حکومت کے

کون سول۔ (کون سول ایک قرضے کے بونڈ یا تمسک کا نام ہے)۔ یہ بونڈ خرید کر تم حکومت برطانیہ کے قرضخواہ بن جاؤ گے۔ سال بسال سود ملا کریگا۔ اصل رقم حکومت سے وصول نہیں ہوگی ؎

تم کہو گے۔ واہ یہ کیا بات ہوئی۔ سود کے لئے میں اصل کھو بیٹھوں۔ اور حکومت بھی بڑی چالاک ہے۔ اصل ہضم کرکے بیٹھ گئی۔ یہ کہاں کی ایمان داری ہے؟

مگر جو قرضخواہ چاہے۔ بونڈ بیچ کر اصل رقم وصول کرے۔ مولی گاجروں کی طرح بونڈ بھی بکتے ہیں؎

فرض کرو تم نے مجھ سے سو روپے قرض لئے۔ نقصان کا کھٹکا نہیں۔ وصولی کے لئے تنگ و دو نہیں۔ اور پھر شرط یہ ہے۔ کہ جب میں مانگوں۔ تمہیں رقم واپس کرنی پڑیگی۔ خواہ ایک دن میں مانگ لوں۔ خواہ ہفتے چھ مہینے میں۔ اس صورت میں شرح سود نہایت کم ہوگی۔ لندن میں بنکوں سے دلالوں کو اس شرط پر روپیہ ملتا ہے۔ کہ جب ضرورت پڑیگی بنک رقم واپس لے لینگے۔ شرح سود عام طور پر ایک فی صدی سے کم ہوتی ہے ؎

بنکوں میں امانتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک جب جی چاہے نکلوا لو۔ ایسی امانتوں پر عموماً بنک سود

نہیں دیا کرتے۔ یا دیتے ہیں تو بہت کم۔ ان امانتوں پر سود ملتا ہے۔ جو سال بھر نہیں مل سکتیں۔ یا اس سے زیادہ یا کم معیاد جو مقرر کی جائے ⁂

اصل کا گھٹنا بڑھنا

فرض کرو حکومت ہند نے قرضہ لیا اور قرضے کے بونڈ یا تمسک یا سرٹیفکیٹ جاری کئے۔ بونڈ کی قیمت ۱۰۰ روپے۔ شرح سود ۴ فی صدی سالانہ ⁂

اس بونڈ کو جب چاہے بیچ کر ۱۰۰ روپے وصول کر لو۔ مگر فرض کرو جنگ چھڑ گئی اور حکومت نے اور قرض لیا۔ اور نئے قرضے پر ۵ فیصدی سود دینے کا وعدہ کیا۔ نئے قرضے کے بونڈ کی قیمت بھی ۱۰۰ روپے ہے۔ فوراً پرانے بونڈ کی قیمت گر جائیگی۔ وجہ یہ ہے۔ کہ سو روپے کی اصل پر ۵ فیصدی سود ملتا ہے۔ پرانا بونڈ کون سو روپے میں خریدیگا۔ ہاں اگر پرانا بونڈ ۸۰ روپے میں ملے تو خریدنے میں نقصان نہیں۔ اسّی روپے کی اصل پر ۴ فی صدی سود سو کی اصل پر ۵ فی صدی سود کے برابر ہے ⁂

اگر نئے بونڈ پر حکومت ۳ فی صدی سود دیتی ہے۔ تو پرانے بونڈ کی قیمت ۱۳۳ ⅓ روپے ہو

جائے گی - $\frac{1}{3}$ ۱۳۳ روپے پر ۴ روپے سود ملا - تو سو روپے پر ۳ روپے ہو گیا ۰۰

اسی طرح مشینوں - لاریوں موٹر کاروں کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے - تم نے موزے بنانے کی ایک مشین لگائی - فرض کر لو قیمت ۱۰۰ روپے ہے - خرچ نکال کر مشین کی کمائی ۸ روپے سال ہے - اب اگر نئی مشین بن جائے جو زیادہ کام نکالے - اور خرچ نکال کر جس کی کمائی ۱۰ روپے فی صدی فی سال ہے - پُرانی مشینوں کی قیمت ۸۰ روپے رہ جائیگی - پُرانی مشین سے یہ مطلب نہیں ہے - کہ مشین برتی جا چکی ہے - نہیں مشین نئی ہے - رکھے رکھے اس کی قیمت گر جائے گی - کیونکہ اس سے بہتر مشین بن گئی ہے ۰۰

موٹر لاری پٹرول کے زور سے چلتی ہے - عام طور پر لاری ایک گیلن پٹرول میں ۲۰ میل جاتی ہے - فرض کرو نیا انجن بنے جو پٹرول کم کھائے - اور ایک گیلن میں لاری کو ۳۰ میل لے جائے - پُرانی لاریوں کی قیمت ضرور گریگی - فرض کرو پُرانی لاری پر تم ۱۰ فی صدی منافع کماتے تھے - اور نئی لاری پر ۱۵ فی صدی منافع ملے گا - اگر نئی لاری کی قیمت ۴۰۰۰ روپے ہے - تو پُرانی لاری کی قیمت ۲۶۶۶

روپے سے زیادہ کوئی نہیں لگائیگا۔ خواہ اس کی لاگت ۳۰۰۰ روپے کیوں نہ ہو؟

سرمایہ کیوں جوڑا جاتا ہے؟

دولت جوڑنے کے لئے پہلی شرط ہے۔ کہ آمدنی خرچ سے زیادہ ہو۔ فرض کرو تمہاری آمدنی ۲۰ روپے ماہوار ہے۔ کیا کھاؤ گے۔ کیا بچاؤ گے۔ مثل مشہور ہے ننگی کیا نہائے گی کیا نچوڑے گی؟

فرض کرو آمدنی ۵۰ روپے ماہوار ہو جائے۔ اب شاید ۵ روپے ماہوار بچا لو۔ آمدنی کا دس فی صدی حصہ بچایا؟

آمدنی ہزار روپے ماہوار ہو جائے اور تم ہر ماہ دس فی صدی حصہ جمع کرو۔ تو ہر ماہ سو روپے بچے۔ اور سال میں بارہ سو۔ مگر آمدنی بڑھنے سے تمہارا خرچ اسی نسبت سے نہیں بڑھیگا۔ ہزار روپے میں سے شاید ۲۵۰ آسانی سے بچا لو۔ بچت کی نسبت ۲۵ فی صدی ہوئی؟

زر زر کشد در جہاں گنج گنج۔ روپے والے کے پاس روپیہ جڑتا ہے۔ وجہ یہ کہ اس کی دولت جوڑنے کی طاقت غریب سے زیادہ ہے۔ ہاں فضول خرچی کی عادت پڑ گئی ہے۔ تو دس ہزار روپے ماہوار

کی آمدنی بھی تھوڑی +

امیر اور غریب ملکوں میں یہ بھی فرق ہے - کہ امیر ملک میں سرمایہ تیزی کے ساتھ بڑھتا ہے۔ اور غریب ملک میں آہستہ آہستہ +

لوگ کیوں روپیہ جوڑتے ہیں - اوّل اس خیال سے کہ نہ معلوم کب ضرورت آن پڑے - بیاہ شادی - بیماری ، اور ہزار آفتیں جان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں - بڈھے ہو جاؤگے یا نوکری جاتی رہیگی تو کہاں سے کھاؤگے - دوم چھوٹا کارخانے دار روپیہ جوڑ کر اپنا کام بڑھا سکتا ہے - کلرک روپیہ جوڑ کر اعلےٰ تعلیم حاصل کر سکتا ہے - تمہیں شاید اسمبلی کے ممبر بننے کی ہوس ہے - مگر ممبر بننے کے لئے روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے ہزاروں - اس خیال سے روپیہ جوڑوگے +

سُود کی خاطر بھی لوگ روپیہ جوڑتے ہیں - فرض کرو تم چاہتے ہو کہ اتنا روپیہ بنک میں جمع کرا دو - کہ ۶۰۰ روپے سال کی آمدنی ہو جائے - اگر شرح سُود ۴ فی صدی ہے - تو ۱۵۰۰۰ روپے جوڑنے پڑینگے - شرح سود ۲ فی صدی ہو تو ۳۰۰۰۰ روپے جوڑو - اور ۵ فی صدی تو ۱۲۰۰۰ کافی ہونگے +

بنک امانتوں پر سود نہ بھی دیں - پھر بھی لوگ روپیہ جوڑینگے - اور بنکوں میں جمع کرائینگے - جوڑنا اس

وجہ سے ضروری ہے کہ ضرورت کے وقت اوروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے - اور روپیہ جوڑ کر گھر میں نہیں رکھا جا سکتا - بنک میں امانت محفوظ رہیگی +
جو سود کی خاطر روپیہ جوڑتے ہیں - سود کی شرح بڑھ جانے سے زیادہ جوڑینگے - اور گھٹ جانے سے کم - شرح سود کے گھٹنے سے روپیہ قرض زیادہ مانگا جائیگا - اور بڑھنے سے کم - شرح سود کا ٹھیراؤ کہاں ہوگا - یہ ذیل کے نقشے میں دکھایا ہے :-

شرح سود	رسد سرمایہ کروڑ روپے	مانگ سرمایہ - کھانے کے لئے - کروڑ روپے	مانگ سرمایہ کاروبار کے لئے - کروڑ روپے	کل مانگ کروڑ روپے
۰	۱۰	۱۰	۵۰	۶۰
۱	۱۵	۸	۳۲	۴۰
۲	۲۰	۷	۲۸	۳۵
۳	۳۰	۶	۲۴	۳۰
۴	۳۵	۵	۲۰	۲۵
۵	۴۰	۴	۱۶	۲۰
۶	۵۰	۳	۱۲	۱۵

شرح سود صفر ہو تو رسد ۱۰ کروڑ مانی ہے -

مگر مانگ رسد سے ۶ گُنی زیادہ ہے۔ ۵۰ کروڑ کار و بار کے لئے اور دس کروڑ کھانے کے لئے۔ یا شادی بیاہ کے خرچ کے لئے۔ شرح سود ۶ فی صدی ہے۔ تو رسد ۵۰ کروڑ اور مانگ کُل ۱۵ کروڑ۔ اگر شرحِ سُود ۳ فی صدی ہے۔ تو رسد اور مانگ برابر کی ہیں۔ شرح سُود کا ۴ فی صدی پر ٹھیراؤ ہوگا۔ اور یہ شرح سرمایہ کی آخری ضرورت ظاہر کریگی۔

اشیاء کی قیمتوں کے گھٹنے بڑھنے کا شرح سُود پر اثر

شرح سُود مقرر ہو اور نرخ ۵۰ فی صدی گر جائیں تو قرضخواہ فائدے میں رہے گا۔ اور قرضدار گھاٹے میں۔ وجہ یہ کہ روپے کی قوت خرید ۱۰۰ فیصدی بڑھ گئی۔ ۴ روپے سود کے دینے مقرر ہوئے تھے۔ وہی چار روپے تم مہاجن کو دوگے۔ مگر ان کی قوت خرید آٹھ روپوں کے برابر ہے۔

اگر نرخ دُگنے ہو گئے ہیں تو قرضخواہ گھاٹے میں رہیگا۔ تم مقرر شدہ ۴ روپے سُود کے مہاجن کے حوالے کرو گے۔ مگر ان کی قوت خرید ۲ روپوں کے برابر ہوگی

عام طور پر قیمتوں کے بڑھنے کے ساتھ شرح سُود بڑھ جاتی ہے۔ اور گھٹنے کے ساتھ گھٹ جاتی ہے۔ اگر روپیہ کاروبار کے لئے قرض لیا ہے۔اور قیمتیں بڑھ گئی ہیں۔ منافع بھی بڑھ جائیگا۔ زیادہ شرح سُود دی جا سکتی ہے۔ قیمتوں کے گرنے پر منافع گھٹ جاتا ہے۔ شرح سود میں تخفیف ضروری ہے۔

زر کی قوت خرید دُگنی ہو جائے تو قرضوں کا بوجھ بھی گویا دُگنا ہو گیا۔ قرضوں کا بوجھ ہلکا کرنے کی ایک ترکیب یہ بھی ہے۔ کہ زر کی قوت خرید گھٹا کر تقریباً صفر کے برابر کر دو۔ فرض کرو میں نے لاکھ روپے یکم جون ۱۹۳۹ء کو قرض لئے۔ رقم یکم جون ۱۹۴۲ء کو واپس کرنی ہے۔ تین سال کے عرصے میں زر کی قوت خرید گھٹی۔ اگر $\frac{1}{10}$ رہ گئی ہے۔ تو لاکھ روپے کا قرضے کا بوجھ ۱۰۰۰۰ کے برابر رہ گیا۔ اگر $\frac{1}{1000}$ رہ گئی ہے تو سمجھو کہ سو روپے میں لاکھ روپے ادا ہو گئے۔ میں واپس لاکھ روپے کے نوٹ ہی کرونگا۔ مگر ان کی قوت خرید ۱۰۰ روپے کے برابر ہے۔

سُنا ہے کہ ایک جرمن کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام ہانز اور دوسرے کا ڈیٹر۔ مرتے وقت باپ دونوں کو لاکھ مارک نقد دے گیا۔ یہ ۱۹۲۰ء کا

ذکر ہے۔ ہانز نہایت کفایت شعار لڑکا تھا۔ رقم اس نے بنک میں جمع کرا دی۔ اور سُود پر گذارہ کیا۔ ڈیٹر بلا کا مے نوش واقع ہوا تھا۔ صبح شام ایک ہی کام۔ مَے نوشی۔ اس نے لاکھ مارک کی شراب کی بوتلیں خرید لیں۔ اور انہیں ڈکارنا شروع کیا۔ دو تین سال یہی کیفیّت رہی۔ اس عرصے میں مارک کی قوت خرید گری اور اتنی کہ ہانز کی لاکھ روپے کی بنک میں امانت دو پیسے کی رہ گئی۔ مگر ڈیٹر خالی بوتلیں بیچ کر امیر کبیر بن گیا ۔

فصل ۲۲

منافع

سب سے پہلے سمجھنا ضروری ہے۔ کہ منافع چوری نہیں ہے ۔

مارکس کے مسئلہ لُوٹ کھسوٹ کا اُوپر ذکر آ چکا ہے۔ مارکس کے خیال میں منافع اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ کارخانہ دار مزدور کو پُوری مزدوری نہیں دیتا۔ اگر مزدور نے ۱۰ گھنٹے کام کیا۔ اور اُسے اُجرت ملی

۵ گھنٹے کی - تو کارخانہ دار نے ۵ گھنٹے کی اُجرت چُرا لی - لُوٹ کھسوٹ کی شرح سو فی صدی ہوئی ۔

مارکس نے یہ بھی کہا ہے کہ مزدور کو مزدوری بس اتنی ملتی ہے کہ پیٹ بھر سکے یا جان و تن کا رشتہ قائم رہے - اگر پیٹ نہیں بھرتا - تو مزدوروں کی تعداد گھٹ جائے گی - اور لاچار کارخانہ داروں کو مزدوری کی شرح بڑھانی پڑے گی - اگر مزدُور زیادہ دولت پیدا کرتا ہے یا کام زیادہ نکالتا ہے - تو بھی مزدوری کی شرح میں فرق نہیں آتا - فائدہ کارخانہ دار کو ہوتا ہے - مزدور کو نہیں ۔

نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایہ داری کی ترقی سے سرمایہ دار مالدار بن جاتے ہیں - اور مزدوروں کا حال بدتر ہوتا چلا جاتا ہے ۔

قیاسوں کی جانچ پڑتال واقعات کی بنا پر ہوتی ہے - یا یُوں کہو کہ واقعات کی کسوٹی پر قیاس پرکھے جاتے ہیں - اور قیاس گھڑنے والے کی جھُوٹ سچ ظاہر ہو جاتی ہے ۔

برطانوی مزدُور سو سال پہلے کی نسبت اب بدرجہا خوشحال ہیں - سو سال پہلے حقیقت میں برطانیہ میں مزدوری پیٹ بھرنے کے لائق ہی تھی - مارکس کا دوست انگلز لکھتا ہے - کہ برطانوی مزدُور اُونی کپڑے نہیں

خرید سکتے تھے۔ کچی پکی گلی سڑی سبزیاں اور باسی بدبُو دار گوشت کھاتے تھے۔ تنگ و تاریک کھنڈر مکانوں میں رہتے تھے۔ آج دیکھو۔ زمین و آسمان کا فرق ہے ⁂

آج سے ۵۰ سال پہلے کے مقابلے میں ہمارے کارخانوں کے مزدور بھی زیادہ آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ یا کم تکلیف سے۔ یہ واقعات ہیں۔ جن سے انکار ناممکن ہے ⁂

یاد رہے کہ دولت پیدا کرنے میں حصّہ دار کئی ہیں۔ جو بھی دولت پیدا کرنے میں حصّہ لیگا معاوضے کا حقدار ہوگا۔ مزدور اکیلا دولت نہیں پیدا کرتا ⁂

فرض کرو تم مارکس کے پیرو ہو۔ اور لوٹ کھسوٹ کے جانی دشمن۔ لاکھ روپے کے سرمایہ سے تم نے جُوتے بنانے کا کارخانہ کھڑا کیا۔ مزدور ملازم رکھے۔ اور کام شروع کیا ⁂

مزدوروں کو کیا مزدوری دو گے۔ تم پُوری اُجرت دینی چاہتے ہو۔ مزدوروں کی مزدُوری چرا کر منافع نہیں کمانا چاہتے ⁂

آمدنی جو جُوتے بیچ کر حاصل ہوگی تمام کی تمام مزدوروں میں نہیں بانٹی جا سکتی۔ مشینوں کا گھساؤ اور سرمایہ کا سُود آمدنی میں سے گھٹانا پڑیگا۔ گھساؤ

خرچ میں شامل ہے۔ اگر شامل نہیں کرو گے۔ دو چار سال میں مشینیں گھس جائینگی۔ نئی مشینیں لگانے کے لئے پیسے نہ ہونگے اور کارخانہ بند کرنا پڑیگا۔ سُود بھی خرچ میں شامل ہے۔ اس سے بحث نہیں۔ کہ سرمایہ تمہارا اپنا ہے یا تم نے قرض لیا۔ اگر سُود اُڑ جائے۔ لوگ دولت جوڑینگے کم اور کھائینگے زیادہ۔ نئے کارخانے کھڑے کرنے کے لئے سرمایہ نہیں ملیگا +

تم کارخانے کے مالک ہو۔ تم نے بھی محنت کی ہے۔ پیدا وار کے کام کو ترتیب دی ہے۔ کارخانہ دار فیصلہ کرتا ہے کہ کیا چیز بنانی ہے۔ کس مقدار میں بنانی ہے۔ کن مشینوں سے بنانی ہے۔ کہاں اور کیونکر بیچنی ہے۔ تمہاری محنت کی مزدوری بھی خرچ میں پڑے گی +

اس کے علاوہ تم نے ہمت بھی دکھائی۔ نقصان کی پروا نہ کرکے کارخانہ کھڑا کیا۔ کاروبار میں نفع بھی ہے اور گھاٹا بھی +

ایک صنعت میں دس کارخانے ہیں۔ ہر ایک کا سرمایہ لاکھ روپے ہے۔ سال میں کسی کو نفع حاصل ہوگا۔ کسی کو نہیں۔ اور نفع یا گھاٹے کی رقم بھی جُدا جُدا ہوگی۔ مثلاً

نمبر کارخانہ	نفع	فیصدی لاکھ کے سرمایہ پر	نقصان
۱	۲۰۰۰۰	۲۰	۰
۲	۱۵۰۰۰	۱۵	۰
۳	۱۲۰۰۰	۱۲	۰
۴	۸۰۰۰	۸	۰
۵	۱۰۰۰	۱	۰
۶	"	"	۲۰۰۰
۷	"	"	۴۰۰۰
۸	"	"	۶۰۰۰
۹	"	"	۸۰۰۰
۱۰	"	"	۱۰۰۰۰

کل نفع کی رقم ۵۶ ہزار۔ ۵ لاکھ کے سرمایہ پر شرح منافع ۱۱ ۱/۵ فی صدی ہوئی۔ مگر باقی کے ۵ کارخانوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے ۳۰۰۰۰ کا گھاٹا اٹھایا۔ تمام کارخانوں کو ملا کر ۲۶ ہزار نفع حاصل ہؤا۔ دس لاکھ کے سرمایہ پر ۲ ۶/۱۰ فی صدی شرح منافع ہوئی۔ ۱۱ ۱/۵ فی صدی نہیں *

یہ بھی ممکن ہے کہ ایک کارخانہ ایک سال ۲۰ ہزار کمائے۔ اور دوسرے سال ۱۵۰۰۰ کا گھاٹا اٹھائے۔ تیسرے سال ۵۰۰۰ کمائے اور چوتھے سال ۶۰۰۰ کا پھر گھاٹا برداشت کرے۔ نقصان کا ڈر ہمیشہ لگا رہتا

ہے۔ اور اس کا معاوضہ کارخانہ دار کو دینا پڑیگا۔ اس معاوضے کو دلیری کا انعام کہنا بے جا نہ ہوگا*

تم شاید دلیری کا انعام نہ لو۔ اسے مزدوروں میں بانٹ دو۔ مگر یہ خیرات بانٹی۔ اگر نقصان کا معاوضہ یا دلیری کا انعام کارخانہ داروں کو نہ ملے۔ نئے کارخانے کم بنیں گے۔ خاصکر وہ اشیاء نہیں تیار ہونگی۔ جن کی مانگ مقرر نہیں ہے۔ اور فیشن کی تبدیلی سے آئے دن بدلتی رہتی ہے*

عموماً نظر ایک کارخانے پر پڑتی ہے۔ جس نے بیس تیس فی صدی منافع کمایا۔ مگر جو کارخانے برباد ہو گئے انہیں ہم بھول نہیں سکتے۔ وکیل دس بیس ہزار روپے بھی ماہوار کماتے ہیں۔ مگر ایسے بھی وکیل ہیں۔ جو مہینے بھر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ وکیلوں کی آمدنی کا اندازہ لگانے کے لئے تمام وکیلوں کی آمدنی کی اوسط لینی پڑیگی*

معلوم ہوا کہ سود کی طرح منافع بھی ایک مرکب چیز ہے۔ اس میں مفصلہ ذیل جزو شامل ہیں:-

۱۔ سرمایہ کا سود۔
۲۔ کلوں کا گھساؤ اور بیمے کا خرچ۔
۳۔ ترتیب دینے والے کی محنت کی اجرت۔
۴۔ نقصان کے ڈر کا معاوضہ یا دلیری کا انعام۔

اتفاقیہ نفع بھی کمایا جاتا ہے۔ مثلاً دفعتاً درآمد کے گھٹ جانے سے تمہارے مال کی قیمت بڑھ گئی۔ مگر دفعتاً قیمتوں کے گر جانے سے اتفاقیہ گھاٹا بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ اجارے کا منافع جُدا چیز ہے۔ جس پر الگ بحث کی جا چکی ہے ؀

کام کو ترتیب دینے کی اُجرت چوری نہیں ہے۔ ہم بتا چکے ہیں۔ کہ ترتیب دَولت پیدا کرتی ہے۔ فرض کرو دس بڑھئی الگ الگ میز کرُسیاں بناتے ہیں۔ اُور ایک روپیہ آٹھ آنے روز کماتے ہیں۔ اگر تم اِن دسوں کو ملازم رکھ لو۔ ان کے لئے عمُدہ اوزار اور لکڑی مُہیّا کرو۔ ان میں معقول طریقے پر کام تقسیم کرو۔ بنی ہوئی میز اور کرُسیوں کے بیچنے کا خاطر خواہ انتظام کرو۔ تو ممکن ہے کہ ہر بڑھئی کو ایک روپیہ بارہ آنے روز اُجرت ملے۔ اَور تم الگ دو یا ڈھائی روپے روزانہ منافع کماؤ۔ تمہارا منافع چوری سے نہیں حاصِل ہُوا۔ ترتیب نے پَیدا کیا۔ اُور تم اس کے حقدار ہو ؀

جس طرح مزدوری کی شرح مزدوروں کی آخری ضرورت کو ظاہر کرتی ہے۔ اسی طرح منافع کی شرح کارخانہ داروں۔ مالکوں یا منتظموں کی آخری ضرورت کا پیمانہ ہے۔ اگر شرح منافع بڑھ رہی ہے تو اس کے

معنی یہ ہیں کہ ترتیب دینے والوں کی تعداد کافی نہیں۔ اگر کپڑے کی قیمت ۴ آنے گز سے ۶ آنے گز ہو جائے تو صاف ظاہر ہے کہ مانگ کے مقابلے میں رسد کم ہے۔ مگر منافع بڑھ جانے سے نئے کارخانے بنینگے۔ کپڑے کی رسد بڑھے گی۔ اور شرح منافع گر جائے گی +

شروع شروع میں کھانڈ سازوں نے ۳۰ اور ۴۰ فی صدی منافع کمایا۔ مگر نئے کارخانے بنے۔ کھانڈ کی رسد بڑھنی شروع ہوئی۔ اور منافع کی شرح گر گئی۔ عام طور پر ایک ملک کی مختلف صنعتوں میں شرح منافع تقریباً برابر برابر ہوگی۔ کیونکہ ایک صنعت میں سے سرمایہ نکال کر دوسری صنعت میں لگایا جا سکتا ہے۔ فرق اس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی صنعت میں نقصان کا ڈر زیادہ ہو۔ اجارہ قائم ہو جانے سے شرح منافع بڑھ جاتی ہے۔ مگر نئے کارخانے اجارہ توڑنے کی کوشش کرینگے۔ مثلاً سرد بازاری جب شروع ہوئی سن کی قیمت بہت گر گئی۔ سن کے کارخانوں کو بھی بہت نقصان ہوا۔ چونکہ تجارت اور کاروبار کے مندہ ہو جانے سے سن کی بوریوں اور کپڑے کی مانگ گر گئی تھی۔ قیمتیں بڑھانے کی خاطر پیداوار کو کم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ چنانچہ سن

کے کارخانوں کی انجمن نے ۱۹۳۲ء میں کام کرنے
کے گھنٹے ہفتے میں ۴۰ مقرر کئے۔ اور کارخانوں کو
ہدایت ہوئی۔ کہ ۱۵ فی صدی کھڈیوں پر مہریں
لگا دیں یا انہیں بند کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
نئے کارخانے کھڑے ہو گئے۔ جو انجمن کے احکام
کے پابند نہیں تھے۔ انجمن کو پابندیاں ہٹانی پڑیں۔

کاشتکاروں اور دستکاروں کا منافع

ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ کہ ہندوستان میں ملازموں
کی نسبت مالکوں کی تعداد زیادہ ہے۔ صنعت کاری
میں کارخانوں کے مزدوروں کے مقابلے میں دستکار
دس گنے زیادہ ہیں۔ آبادی کے ۷۱ فی صدی حصّے
کا گذران زراعت پر ہے۔ کاشتکار کسی کا نوکر نہیں۔
منافع کی خاطر کھیتی کرتا ہے۔ اور اپنی مرضی کا مالک
ہے۔

۲۵-۱۹۲۴ء میں ہندوستانی تحقیقاتی کمیٹی نے مالیہ کے
متعلق کچھ سفارشات کیں۔ ان میں ایک یہ تھی کہ
خالص منافع کی جس کا چوتھا حصّہ حکومت کا مالیہ
ہے۔ براہِ راست تعریف ہو۔ یہ اس طرح کہ پیداوار
کی قیمت میں سے کُل اخراجات گھٹائے جائیں۔ اخراجات
میں کمیٹی نے زمیندار اور اس کے گھر والوں کی

محنت کی اجرت شامل کی۔ اور اجرت کے علاوہ واجب منافع بھی +

واجب منافع کا الگ ذکر کیوں کیا۔ وجہ یہ کہ مالک دوسرے کا نوکر بن کر کام کرے تو اجرت کا حقدار ہوگا۔ اگر اس نے الگ کام شروع کیا ہے۔ تو اس کی کمائی دو حصّوں میں تقسیم ہوگی۔ اوّل محنت کی اجرت جو وہ نوکر بن کر بھی حاصل کرتا۔ دوم منافع جو نقصان کے ڈر کا معاوضہ یا دلیری کا اِنعام ہے۔ یہ مالک کی خاص کمائی ہے۔ خواہ مالک خود کاشت زمیندار ہو۔ خواہ دستکار خواہ کارخانہ دار +

کاشت کاروں کا منافع کون مقرر کرتا ہے؟

آج کل کھیتی کرنے میں منافع خاک نہیں بلکہ محنت کی مزدوری بھی کاشت کار کو نہیں ملتی۔ مگر سرد بازاری سے پہلے اور خاص کر جنگ کے ایّام میں پنجاب کے کاشت کاروں نے اچھا منافع کمایا۔ پچھلے آٹھ سالوں میں ۱۲۲ کروڑ روپے سے زیادہ کا سونا مُلک سے باہر گیا ہے۔ بہت سا سونا دیہات سے نکلا ہے۔ اور مجبوری کی وجہ سے زمینداروں نے بیچا ہے۔ مگر وہ بھی وقت تھا۔ جب زمیندار سیروں کے حساب سے سونا خریدا کرتے تھے +

نفع اشیاء کی قیمتوں میں سے نکلتا ہے۔ اگر کنک ۵ - ۶ روپے من ہے اور کپاس ۱۲ - ۱۵ روپے۔ اور مانگ بڑھتی جائے کیوں نہ کاشتکار نفع کمائیں ✦

اشیاء کی قیمتیں ان کی آخری ضرورت مقرر کرتی ہے۔ ہم بتا چکے ہیں۔ کہ مانگ برقرار رہے۔ اور رسد بڑھ جائے تو چیز کی آخری ضرورت گھٹ جائیگی۔ محنت سے سروکار نہیں۔ جو چیز بنانے میں صرف ہوئی۔ آخری ضرورت گھٹی اور قیمت گری ✦

اشیاء کی آخری ضرورت اشیاء تیار کرنے والوں کی آخری ضرورت ہے۔ ۲۵-۱۹۲۴ء میں دس لاکھ ٹن سے زیادہ کنک ہندوستان سے باہر گئی۔ اور اس کی ۱۷ کروڑ روپے ہمیں قیمت ملی ۳۹-۱۹۳۸ء میں برآمد ۲$\frac{3}{4}$ لاکھ ٹن کی تھی۔ اور اس کی قیمت تقریباً ۲$\frac{1}{2}$ کروڑ روپے۔ کنک کی برآمد اب بھی تھوڑی بہت ہے۔ کیونکہ جنگ چھڑ جانے کا خطرہ ہے۔ ۳۵-۱۹۳۴ء میں کنک کی کُل برآمد کی قیمت ۱۱ لاکھ روپے تھی۔ کہاں ۱۷ کروڑ کہاں ۱۱ لاکھ۔ اگر جنگ کا ڈر نہ رہے تو یورپ کے صنعتی ملک کنک کے ذخیرے جمع نہ کریں۔ ان کی اپنی پیداوار کافی بڑھ گئی ہے۔ کنک کی برآمد پھر تقریباً بند ہو جائے گی ✦

کپاس کا بھی یہی حال ہے۔ جاپان کوشش کر رہا

ہے۔ کہ چین میں کپاس کی پیداوار اتنی بڑھ جائے کہ اسے امریکہ اور ہندوستان کی کپاس خریدنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس صورت میں کپاس کی قیمت اور بھی گرے گی +

کچے مال کی برآمد کم ہونے اور اس کی قیمت گرنے کے معنی صاف ہیں۔ ہمارے کاشت کاروں کی آخری ضرورت گھٹ رہی ہے۔ جُوں جُوں اور ملکوں میں زراعت ترقی کریگی۔ ہمارے کاشتکاروں کی تباہی ہے +

کلوں نے دستکاروں کی جڑ کاٹ دی یا آخری ضرورت گھٹا دی۔ جلاہوں کی آمدنی اس وجہ سے نہیں گھٹی کہ چُونکہ کلوں کے کپڑے میں کھدر کے مقابلے میں کم محنت منجمد ہے۔ اس لئے کھدر میں بھی سا ماجک نقطہ خیال سے کم محنت منجمد ہے۔ نہیں۔ اگر کھدر بننی بند ہو جائے۔ مگر ملوں کے کپڑے کی رسد کھدر کے برابر ہو جو پہلے بنتی تھی تو ملوں کا کپڑا کھدر کی قیمت پائیگا۔ اگرچہ اس میں کم محنت منجمد ہوگی۔ قیمت گرنے کی اصلی وجہ یہ ہے۔ کہ کپڑے کی رسد بڑھ گئی۔ اور کپڑے کی آخری ضرورت گھٹ گئی +

کاشت کاروں اور دستکاروں کے منافع کے گھٹ

جانے کی اصلی وجہ پیدا وار کا بڑھ جانا ہے۔ پیداوار کے بڑھنے سے اشیاء کی آخری ضرورت گھٹی اور ساتھ ہیں کاشت کاروں اور دستکاروں کی ۔

معترض شاید کہے کہ زمینداروں کو مہاجن لوٹتے ہیں۔ زمینداروں کی کمائی مہاجن چرا لیتا ہے۔ جس طرح مزدوروں کی کمائی کارخانہ دار چرا لیتا ہے ۔

مگر ہم بتا چکے ہیں کہ سود چوری نہیں ہے۔اگر دیہات ہیں شرح سود زیادہ ہے۔ اس کی وجہ سرمایہ کی کمی ہے۔ اور اصل ضائع ہو جانے کا ڈر۔ اگر مہاجن دیہات سے اس طرح غائب ہو جائیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ زمیندارا بنک مہاجنی کام سنبھال لیں گے۔ سود پھر بھی دینا پڑیگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ مہاجنی وصولی کی شرح سود لگ بھگ زمیندارا بنکوں کی شرح سود کے برابر ہے ۔

اگر اقتصادی نظام بدل جائے اور روس کی مانند ہندوستان ہیں چھوٹے کھیتوں کو ملا کر بڑے بڑے کھیت بنیں اور کلوں کے ذریعے ان کی کاشت ہو پھر بھی سود سے چھٹکارا نہ ہوگا۔ روس ہیں حکومت کلیں استعمال کے لئے دیتی ہے۔ مفت نہیں۔ کرایہ پر۔ کرایہ سود کی ایک شکل ہے۔ مہاجن سے بظاہر روپے قرض ملتے ہیں۔ مگر روپے ہل۔ کھاد اور بیلوں

کی شکل اختیار کر لیتے ہیں +

دستکاروں کی آخری ضرورت بڑھانے کے لئے نیا کام پیدا کرنا ہوگا۔ کاشتکاروں کی خاطر اجناس کے نرخ مقرر کرنے ہونگے۔ ساتھ میں یہ بھی کوشش کرنی پڑے گی۔ کہ زمین پر آبادی کا بوجھ ہلکا ہو +

فصل ۲۳

لگان زمین

زمین اور سرمایہ میں فرق ہے۔ سرمایہ جوڑنے سے جڑتا ہے۔ شرح سود کے بڑھنے سے سرمایہ کی رسد بڑھے گی اور گھٹنے سے رسد گھٹے گی +

زمین قدرت کی بخشش ہے۔ نئی پیدا نہیں کی جا سکتی۔ اگر کوئی ملک غیر آباد ہو جائے زمین اڑ نہیں جائے گی۔ اگر آبادی روز بروز اور سال بسال بڑھتی رہے۔ زمین کا رقبہ بڑھ نہیں جائیگا۔ ہاں جو زمینیں پہلے خالی پڑی رہتی تھیں۔ اب کاشت ہونے لگیں گی +

فرض کرو آبادی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ اور تمام کی تمام قابل کاشت زمین کام میں آ گئی۔ اور اور زمین کی ضرورت ہے۔ نئی زمین کہاں سے آئیگی۔ کیمیائی کھاد کے ذریعے پیدا وار فی ایکڑ بڑھانے کی کوشش کی جائے گی۔ مگر پیدا وار ایک حد تک ہی بڑھ سکتی ہے۔ اگر غیر ملکوں سے اناج کی درآمد نہیں ہے۔ اناج کی قیمت بڑھنی شروع ہوگی۔ اور مانگ کے ساتھ ساتھ برابر بڑھتی رہے گی +

اس صورت میں زمین کی قیمت لگیگی۔ اگر زمین ضرورت سے زیادہ ہو۔ لا قیمت ہوگی۔ کیونکہ اس کی آخری ضرورت صفر ہوگی +

لگان زمین کی قیمت نہیں۔ زمین استعمال کرنے کی قیمت ہے۔ عام طور پر لگان میں سرمایہ کا سُود بھی شامل ہوتا ہے۔ فرض کرو تم نے ایک مربع لگان پر لیا۔ زمین کے ساتھ مکان بھی ملے۔ جو آدمیوں اور مویشیوں کے رہنے کے لئے ہیں۔ کنوئیں بھی ہیں۔ زمین قدرت کی بخشش ہے۔ مگر مکانوں کنوؤں میں سرمایہ لگا ہے۔ سُود کو نظر انداز کر دیں۔ تو باقی کا لگان فقط زمین کے استعمال کی قیمت رہا +

فرض کرو زمین چار قسم کی ہے۔ نمبر ۱-۲-۳-۴
نمبر اوّل کی پیداوار ۲۰ من کنک فی ایکڑ ہے۔ نمبر ۲
کی ۱۸ من۔ نمبر ۳ کی ۱۶ من اور نمبر ۴ کی ۱۴
من۔ پھر فرض کرو آبادی کے لئے جتنے اناج کی
ضرورت ہے۔ زمین نمبر ۱ کے ایک حصّے میں پیدا ہو
سکتا ہے۔ اور زمین نمبر ۱ کے مالک بہت ہیں۔ اس
صورت میں لگان نہ ہونے کے برابر ہوگا۔ وجہ یہ
کہ مالکوں کا زمین پر کچھ خرچ نہیں ہوا۔ جو لگان
بھی مل جائے غنیمت ہے۔ اگر ایک مالک ایک
روپیہ فی ایکڑ لگان طلب کریگا۔ دوسرا کہیگا میری
زمین ۸ آنے فی ایکڑ پر لے لو۔ تیسرا ۴ آنے
فی ایکڑ لینے کو راضی ہو جائیگا۔ چوتھا اور بھی کم۔
مقابلے میں لگان گر کر قابل ذکر نہ رہے گا۔ یا
یوں کہہ دو کہ چونکہ زمین مانگ کے مقابلے میں
زیادہ ہے۔ اس کی آخری ضرورت صِفر ہے۔ اور
لگان صِفر ہوگا ؂

مگر آبادی اتنی بڑھ جائے کہ ساری زمین نمبر ۱
کام میں آ جائے اور زمین نمبر ۲ کی کاشت کی
باری آ جائے تو فوراً زمین نمبر ۱ کا لگان ملنے
لگیگا۔ لگان کی رقم ۲ من فی ایکڑ سے زیادہ نہیں
ہو سکتی۔ مگر زمین نمبر ۲ کا کوئی لگان نہیں دیگا

ہاں اگر زمین نمبر ۳ کاشت ہونے لگے تو زمین نمبر ۲ کا فی ایکڑ ۲ من لگان ہوگا - اور زمین نمبر ا کا ۴ من فی ایکڑ - اگر زمین نمبر ۴ بھی کاشت ہونے لگے - مگر ضرورت سے زیادہ ہے - تو اس کا لگان نہیں ملیگا - مگر نمبر ۳ کا لگان ۲ من فی ایکڑ - نمبر ۲ کا ۴ من فی ایکڑ اور نمبر ا کا ۶ من فی ایکڑ ہو جائے گا *

اب فرض کرو زمین نمبر ۴ تمام کی تمام کاشت ہونے لگی ہے - مگر آبادی بڑھتی جاتی ہے - اور زمین پیدا نہیں ہو سکتی - اناج کی قیمت بڑھنی شروع ہوگی - یہاں تک کہ زمین نمبر ۴ جو سب سے رڈی ہے - کاشت کرنے میں بھی منافع پیدا ہونے لگیگا - وہ اس طرح کہ لاگت کنک فی من ۲ روپیہ ہے - مگر قیمت کنک دو روپے دو آنے فی من - لاگت میں ہم نے سب خرچ لگا لئے مع کاشت کار کی محنت کی مزدوری اور اس کا اپنا واجب منافع جو خرچ میں ڈالا جاتا ہے - ۲ آنے فی من کے حساب سے ۱۴ من پر ایک روپیہ بارہ آنے کا الگ منافع حاصل ہؤا - جو زمین کے مالک کو ملیگا - کیوں - اگر ایک کاشت کار یا مزارعہ ایک روپیہ بارہ آنے فی ایکڑ کے حساب سے لگان دینے پر راضی نہیں ہوتا - دوسرا راضی ہو

جائے گا +

ظاہر ہے کہ اگر زمین نمبر ۴ کا لگان ملنے لگا ہے تو زمین نمبر ۳ کا لگان اور بھی زیادہ ہوگا۔ نمبر ۲ کا نمبر ۳ سے زیادہ اور نمبر ۱ کا نمبر ۲ سے زیادہ۔ زمین نمبر ۱ کے لگان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اوّل ایک روپیہ دو آنے لگان جو زمین نمبر ۴ کے لئے دیا جاتا ہے۔ باقی کا لگان زمین نمبر ۱ اور زمین نمبر ۴ کی زرخیزی کے فرق کے مطابق ہوگا +

فرض کرو جنس کی شکل میں ایک من کنک زمین نمبر ۴ کا لگان دیا جاتا ہے۔ تو زمین نمبر ۳ کا لگان ۳ من فی ایکڑ ہوگا۔ زمین نمبر ۲ کا ۵ من۔ اور زمین نمبر ۱ کا ۷ من فی ایکڑ۔ ۷ من میں سے ایک من زمین کے استعمال کی قیمت بطور زمین ہوئی۔ اور ۶ من زمین نمبر ۱ اور زمین نمبر ۴ کی زرخیزی کے فرق کے مطابق۔ اسی طرح زمین نمبر ۲ کا لگان ایک من فی ایکڑ بطور زمین کے ہوگا۔ اور ۴ من زمین نمبر ۲ اور زمین نمبر ۴ کی زرخیزی کے فرق کے مطابق +

زرخیزی سے یہی مطلب نہیں کہ پیداوار فی ایکڑ کیا ہے۔ یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے۔ کہ زمین منڈی سے

کتنے فاصلے پر واقع ہے۔ فرض کرو دو مربّع ہیں۔ الف اور ب۔ الف کی پیداوار ۲۵ من فی ایکڑ ہے۔ مگر منڈی سے اتنی دُور واقع ہے کہ ۶ من فی ایکڑ باربرداری کے خرچ میں لگ جاتے ہیں۔ اس خرچ کو گھٹا کر پیداوار فی ایکڑ ۱۹ من رہ گئی۔ مربّع ب کی پیداوار فی ایکڑ ۲۲ من ہے۔ مگر چونکہ منڈی کے نزدیک واقع ہے۔ باربرداری کا خرچ ۲ من فی ایکڑ پڑتا ہے۔ مربّع ب مربّع الف سے بہتر ہوا۔

اُوپر کی مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ زر لگان کا دار و مدار پیداوار کی قیمت پر ہے۔ پیداوار کی قیمت جُوں جُوں بڑھے گی۔ لگان بڑھیگا۔ قیمت اگر گر جائے لگان بھی گریگا۔ آج سے دس بارہ سال پہلے جب بھاؤ اچھے تھے۔ لائل پور میں ایک مربّع کا ہزار روپیہ سالانہ لگان بھی مل جاتا تھا۔ آج کل مشکل سے ۳۰۰۔۴ سو روپے ملتے ہیں۔

لگان کا زمین کی قیمت پر اثر ہوتا ہے۔ لگان گر جائے تو زمین کی قیمت بھی گریگی۔ فرض کرو شرح سُود ۵ فی صدی ہے۔ جس قطعہ زمین سے ۵ روپے سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ لگ بھگ اس کی قیمت ۱۰۰ روپے ہوگی۔ اگر آمدنی $2\frac{1}{2}$ روپے

سالانہ رہ جائے اور شرح سُود میں فرق نہ آئے تو اسی زمین کی قیمت ۵۰ روپیہ رہ جائیگی ٭

مگر زمین منافع ہی کی خاطر نہیں خریدی جاتی۔ اگر زمین کا مالک بن جانے سے میری حیثیت بڑھ جائے گی۔ زمین خریدتے وقت میں آمدنی کا زیادہ خیال نہیں کرونگا۔ اور وہی قطعہ زمین شاید ۶۰۔۷۰ روپئے میں بھی خرید لوں ٭

شہروں میں کرایہ

مکان یا دُکان کے کرایہ کا بڑا حصّہ سرمایہ کا سُود ہے۔ جو مکان یا دکان بنانے میں صرف ہوا۔ مگر زمین کا لگان بھی اکثر موجود ہوتا ہے ٭

مثلاً دو مکان برابر برابر بنے ہوئے ہیں۔ کمرے دونوں میں پانچ پانچ۔ ایک جیسے بڑے۔ رسوئی برساتی۔ پانی کا دونوں میں ایک جیسا انتظام۔ فرق ہے تو یہ کہ ایک مکان دو طرف سے کھلا ہے۔ کیونکہ سڑک کے موڑ پر واقع ہے اور دوسرا ایک طرف سے۔ زیادہ ہوا دار مکان کا کرایہ زیادہ ہوگا ٭

یا ایک دکان شہر کے بیچوں بیچ واقع ہے اور دوسری شہر سے دُور مرگھٹ یا قبرستان کے نزدیک۔ ہر بازار میں بکری ایک جیسی نہیں ہوتی۔ جہاں بکری

زیادہ ہوگی کرایے زیادہ ہونگے ٭

اگر مَیں زیادہ کرایہ دیتا ہُوں تو اس وجہ سے کہ بکری زیادہ ہے یا کسی وجہ سے زیادہ قیمتوں پر اشیاء بیچ سکتا ہوں۔ چونکہ کرایہ زیادہ ہے۔ اس لئے گاہکوں کو زیادہ قیمتیں ادا کرنے پر مجبوُر نہیں کر سکتا ٭

لاہور شہر میں سڑک مال پر کرایے زیادہ ہیں۔ اور مال کے دکاندار قیمتیں بھی زیادہ وصُول کرتے ہیں۔ کسی سے پُوچھو تو جواب ملیگا۔ کیا کریں۔ کرایے کو دیکھو۔ آخرکار کرایہ قیمتوں میں سے ہی نکلے گا۔ گھر سے تو نہیں دینگے ٭

حقیقت یہ ہے کہ نزدیک ہونے کے باعث مال کے آس پاس رہنے والے مال کی دُکانوں سے اشیاء خریدتے ہیں۔ اور امیر ہونے کے باعث قیمت کی پروا نہیں کرتے۔ بلکہ بعض اوقات سستی دکانوں سے چیزیں خریدنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ چونکہ دکانداروں کو قیمتیں اچھی مِل جاتی ہیں زیادہ کرایہ دے سکتے ہیں۔ اس کرایہ میں سے سرمایہ کا سُود گھٹا دو باقی زمین کا لگان رہ جائیگا ٭

شہروں کے ہر بازار اور ہر محلّے میں زمین کی قیمت میں فرق ہے۔ جہاں آبادی گنجان ہے زمین

کی قیمت زیادہ ہوگی۔ جوں جوں شہر سے دُور ہوتے جاؤ گے قیمت کم ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ گرد و نواح میں زمین تقریباً زراعتی زمین کے بھاؤ ملیگی۔ وجہ آخری ضرورت۔ اگر شہر پھیل رہا ہے۔ رفتہ رفتہ گرد و نواح کی زمینوں کی قیمت بھی بڑھے گی۔ پچھلے ۳۰-۳۵ سال میں دیکھتے دیکھتے لاہور کے بعض حصّوں میں جہاں پہلے اُلّو بولا کرتے تھے اور زمین کوڑیوں کے مول ملتی تھی۔ اب بیس اور پچیس ہزار روپے فی کنال ٹکڑے فروخت ہوئے ہیں۔

لگان اشیاء کی قیمتوں میں داخل بھی ہوتا ہے

عام طور پر یہ کہنا درست ہے کہ لگان زمین اشیاء کی قیمتوں میں داخل نہیں ہوتا۔ کنک کی قیمت کنک پیدا کرنے کی لاگت کے برابر ہوگی۔ مگر جُدا جُدا زمینداروں کی لاگت جُدا جُدا ہوگی۔ کسی کی زمین زیادہ زرخیز ہے۔ کسی کی کم۔ فرض کرو زمیندار ہیں ا-ب-ج-د اور د کی زمین سب سے ردّی ہے۔ مگر مانگ اتنی ہے کہ د کی کنک کی بھی کھانے والوں کو ضرورت ہے۔ ضروری ہے کہ

کنک کی قیمت دؔ کی لاگت کے برابر ہو +

فرض کرو زمین ایک ہی کام آتی ہے کنک پیدا کرنے کے۔ اور فرض کرو سب سے ردّی زمین کا رقبہ مانگ سے زیادہ ہے۔ یعنی تمام کی تمام ردّی زمین کاشت نہیں ہوتی۔ اس صورت میں دؔ لگان نہیں دیگا۔ چونکہ دؔ کنک کی قیمت مقرر کرتا ہے۔ قیمت میں لگان داخل نہیں ہے۔ دؔ کی مقرّر کردہ قیمت پر تمام کنک فروخت ہو گی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کنک کی قیمت لگان کے جزو سے خالی ہے +

اگر ا ۔ ب ۔ ج خود کاشت زمیندار ہیں دؔ کی مقرر کردہ قیمت پر کنک بیچ کر فائدہ اٹھائیں گے۔ لگان جو ان کی اپنی زمین اور دؔ کی زمین کی زرخیزی کے فرق سے پیدا ہوا۔ اُن کی اپنی جیب میں رہا۔ اگر ا ۔ ب ۔ ج مزارعے ہیں۔ لگان مالک کو دینا پڑیگا +

فرض کرو زمین قسم اوّل کا مالک مزارعہ الفؔ کو بُلا کر کہے۔ کہ مَیں نے تمہارا لگان معاف کیا۔ زمین قدرت کی بخشش ہے۔ لگان میری محنت کی کمائی نہیں۔ تمہیں مُبارک ہو۔ مزارعہ الفؔ خوش ہو کر بغلیں بجائیگا مالک زمین کا ہزار ہزار شکر کریگا۔ شاید جُھک کر آداب تسلیمات بجا لائے۔ جو لگان مالک کو ملتا اب

اس کی اپنی جیب میں رہا۔ کنک کھانے والوں کو مالک زمین کی عنایت سے فیض نہیں پہنچیگا ⁂

فیض پہنچے اگر الف کنک سستی بیچنے لگے۔ الف کیوں سستی کنک بیچے۔ قیمت اُس نے تو مقرّر نہیں کی۔ مانگ پُوری کرنے کے لئے د کی کنک ضرور چاہیئے۔ اور اِس لئے د کو کنک کی پُوری لاگت دینی پڑیگی۔ ایک قسم کی کنک ایک منڈی میں ایک ہی وقت میں مختلف قیمتوں پر نہیں بِک سکتی۔ اگر سستی کنک بیچے تو بھی قیمت پر اثر نہیں پڑیگا۔ کیونکہ الف ساری مانگ پُوری نہیں کر سکتا۔ جہاں الف سستی کنک بیچ کر الگ ہوا۔ پھر کنک کی قیمت د کی لاگت کے برابر ہو جائے گی ⁂

اس مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر لگان قطعاً موقوف ہو جائے یا حکومت سو فی صدی محصول لگا کر ضبط کر لے۔ پھر بھی اجناس کی قیمتوں میں فرق نہیں آئیگا ⁂

حقیقت میں یہ خیال درُست نہیں۔ وجہ یہ کہ زمین کنک اُگانے کے ہی کام نہیں آتی اور فصلیں بھی اُگتی ہیں۔ پھر فصلوں کے علاوہ زمین کا بطور چراگاہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ مان لیا کہ کنک اُگانے کے لئے ایک قطعہ زمین ردّی ہے۔ مگر چراگاہ کے

لئے رڈی نہیں - اگر کنک اُگانی ہے تو اس زمین کو چراگاہ سے چھڑانا پڑیگا - یا اس زمین کا لگان دینا پڑیگا - جو کم از کم چراگاہ کے لگان کے برابر ہو - یہ لگان کنک کی قیمت میں داخل ہوگا پر ہوگا - کمیوں کی مزدوری - مزارعہ کی محنت کی مزدوری اور واجب منافع - سرمایہ کا سُود - بیلوں کا خرچ - بیلوں اور اوزاروں کا گھساؤ خرچ میں ڈالے جاتے ہیں - کیوں ؟ اگر کمیوں کو مزدوری نہ دوگے کمی کام کیوں کرینگے - سرمایہ کا سُود نہ دوگے سرمایہ دستیاب نہ ہوگا - اسی طرح اگر چراگاہ سے چھڑانے کے لئے رڈی سے رڈی کنک والی زمین کا لگان ادا نہیں کروگے زمین نہیں ملے گی ؞

شیخ سعدی کا قول ہے - ع خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد - انگلیوں میں ایک بڑی ایک چھوٹی - فرق قدرتی ہے - اسی طرح زمین کا قطعہ ایک زرخیز اور دُوسرا رڈی - وکیلوں میں کوئی بڑا کوئی چھوٹا - لمبائی سے مُراد نہیں ہے - ایک وکیل ہوشیار - چُست چالاک اور زبان کترنی کی طرح چلتی ہوئی - دوسرا بودھو - عقل کا فرق تعلیم پیدا کرتی ہے - مگر قدرتی بھی ہے - مزدور مزدور میں فرق ہے - ایک سمجھ دار - اشارے سے کام کرتا ہے - دوسرا کودن - دس دفعہ بتاؤ - سمجھاؤ - کرکے دکھاؤ

پھر بھی جو کام کرے گا اُلٹا - کارخانہ دار کارخانہ دار میں - فرق ہے - کاشت کار کاشت کار میں فرق ہے - ایک محنتی - دُوسرا محنت سے جی چُرانے والا - قدرتی فرق کی وجہ سے آمدنی میں فرق پیدا ہوتا ہے - خواہ زمینوں کو لیں خواہ وکیلوں - مزدوروں - کارخانہ داروں یا کاشتکاروں کو - فرض کرو تم معماروں کو اجرت کام کے مطابق دیتے ہو - ایک معمار نے ایک روپیہ آٹھ آنے کی دن بھر میں چنائی کی اور دوسرے نے دو روپے کی - آمدنی میں فرق کی وجہ قدرتی ہے - ایک معمار کا ہاتھ سُست چلتا ہے اور دوسرے کا پھُرتی سے - ان دونوں کی آمدنی میں فرق زمینوں کی مانند ہے - جن کی زرخیزی برابر کی نہیں ہے +

ایک کارخانہ دار سو روپے ماہوار کماتا ہے - دُوسرا اسی صنعت میں اتنے ہی سرمایہ سے ۱۵۰ روپے ماہوار - اگر آمدنی میں فرق قدرتی عقل اور سمجھ کے فرق کی وجہ سے ہے - بڑھیا کارخانہ دار کو گھٹیا کارخانہ دار کے مقابلے میں بڑھیا قطعہ زمین کی مانند سمجھو - جو زیادہ لگان پیدا کرتی ہے +

باب پنجم

فصل ۲۴

حکومت کے فرائض

تم پہلی مرتبہ لاہور آئے ہو۔ میرے ساتھ چلو۔ لاہور کی سیر کرا دُوں +

پہلے چڑیا گھر چلیں گے۔ گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں وہاں چھوڑنے نہیں لے جا رہا۔ عجیب و غریب قسم کے چرند و پرند چڑیا گھر میں ہیں۔ جو تم نے کبھی نہ دیکھے ہونگے۔ چڑیا گھر کی سیر کر کے عجائب گھر پہنچے۔ وہاں تصویریں اور خاص کر پُرانے بُت دیکھے جو کئی ہزار سال پہلے تراشے گئے تھے۔ اور ٹیلوں میں سے کھود کر نکالے گئے ہیں۔ عجائب گھر کے پیچھے بڑا بھاری کتب گھر ہے۔ اس کی نئی عمارت بن رہی ہے۔ آٹھ روپے سالانہ دے

کر متعدد کتابیں گھر لا سکتے ہو۔ اگر وہاں بیٹھ کر پڑھنا چاہتے ہو تو مُفت پڑھو۔ عجائب گھر کے ذرا آگے گورنمنٹ کالج کی شاندار عمارت کھڑی ہے۔ گورنمنٹ کالج کے سامنے ضلع کچہری ہے۔ کتنی چہل پہل ہے۔ وکیل بھاگے پھرتے ہیں۔ اور اُن کے پیچھے موکّل۔ چپراسی وردیاں پہنے آوازیں لگا رہے ہیں۔ فلاں شخص حاضر ہے۔ ہم لوٹے۔ مال کی طرف رُخ ہے۔ شاہ چراغ کی مسجد کے سامنے ڈاک خانہ ہے۔ ٹکٹ لفافے چاہئیں تو خرید لو۔ تار دینا ہو۔ تو تار گھر دُور نہیں۔ تار گھر میں ٹیلی فون گھر بھی ہے۔ کِسی سے بات کرنی ہو۔ تو دو آنے میں تین منٹ بول لو۔ چڑیا گھر۔ عجائب گھر۔ کتب گھر۔ گورنمنٹ کالج۔ ضلع کچہری۔ ڈاک خانہ۔ تار اور ٹیلی فون کی مالک حکومت ہے +

حکومت نے کیوں چڑیا گھر کھولا۔ عجائب گھر اور کتب گھر تعمیر کئے۔ تعلیم پر کیوں ہر سال حکومت لاکھوں روپے خرچ کرتی ہے؟

جواب ہے رعایا کی بھلائی کے لئے +

عدل و اِنصاف کے لئے عدالتیں ضروری ہیں۔ مُلک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے پولیس چاہیئے۔ مُلک کو دشمنوں کے حملوں سے بچانے کے

لئے فوج پر کروڑوں روپے سالانہ خرچ ہوتے ہیں۔ پولیس اور فوج حکومت کی +

ڈاک خانہ۔ تار گھر۔ ٹیلی فون ہی حکومت کے نہیں۔ پنجاب کی ریل کی مالک بھی حکومت ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ کہ بعض صنعتوں میں مقابلہ فائدہ مند نہیں بلکہ نقصان پیدا کرتا ہے۔ اگر حکومت ریل۔ تار وغیرہ کا کام نہیں سنبھالتی تو کمپنیوں کو اجارہ دینا ہوگا +

شہروں میں پانی کا انتظام میونسپل کمیٹی کے ہاتھ میں ہے۔ آب پاشی کے لئے نہریں حکومت نے بنائی ہیں +

کسی طرف نظر اٹھائیں حکومت کے قدم نظر آئینگے۔ سڑکیں حکومت نے بنائیں۔ جنگلات حکومت کے۔ روپیہ جو ابھی تم نے جیب میں سے نکالا۔ حکومت کی ٹکسال میں بنا۔ ہماری اقتصادی اور سماجک زندگی کا کوئی پہلو نہیں جس پر حکومت کی مداخلت کا اثر نہ پڑتا ہو +

حکومت کیوں ہر جگہ اپنی ٹانگ اڑاتی ہے۔ کتاب چھاپو تو دو کاپیاں مفت حکومت کی نذر کرو۔ اگر اعتراض کے قابل ہے حکومت ضبط کر لیگی۔ اور تم سر پیٹ کر رہ جاؤ گے۔ کارخانہ بنا کر کام شروع

کرو۔ تو ۱۲ سال سے کم عمر کے بچوں کو ملازم نہیں رکھ سکتے۔ دس گھنٹے روز سے زیادہ بالغ مزدوروں سے کام نہیں لے سکتے۔ مے خانہ کھولنا چاہتے ہو تو پہلے لائی سنس حاصل کرو۔ مشترکہ سرمایہ سے بنک کھولا ہے تو باقاعدہ رجسٹری کراؤ۔ حساب کتاب رکھو۔ بنک ٹوٹنے لگا ہے۔ تو دیوالیے کی عرضی دو۔ بے ایمانی ثابت ہوگی تو حکومت کے مہمان بن جاؤ گے۔

آج سے سو سال پہلے مسئلہ غیر مداخلت بہت مقبول تھا۔ مسئلہ غیر مداخلت کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ حکومت اقتصادی یا ساماجک زندگی میں مطلق خلل انداز نہ ہو۔ نہیں۔ پولیس اور فوج حکومت کی ہوگی۔ بے ایمانوں کو پکڑنے اور سزا دینے کا کام بھی حکومت کے سپرد ہوگا۔ مگر خیال یہ تھا کہ جہاں تک ممکن ہو حکومت کی مداخلت محدود رکھی جائے۔ حکومت کا کام ریلیں بنانا اور چلانا نہیں۔ یہی نہیں۔ ایسی الٹی کھوپری کے ماہران اقتصادیات بھی ہوگذرے ہیں۔ جن کے خیال میں قوانین کارخانہ جات بے سود ہیں۔ اگر والدین کم عمر بچوں کو کارخانوں میں بھیجتے ہیں۔ بھیجیں۔ ان کی مرضی۔ اگر مزدور ۱۸ گھنٹے روز کام کرنے کو تیار ہے۔ کرے۔ حکومت کو کیا حق کہنے کا ہے۔ کہ ۱۸ گھنٹے نہیں ۱۰ گھنٹے کام

کرنا ملے گا۔

تجربہ عقل سکھاتا ہے۔ روپے کا لالچ والدین کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ حکومت روکے نہیں تو روپے کے لالچ سے بالغ مرد زیادہ گھنٹے کام کرکے صحت بگاڑ لینگے۔ کارخانہ داروں کو مجبور کرنا پڑتا ہے کہ مزدوروں کو حادثوں سے بچانے کا انتظام کریں۔ حادثے کی وجہ سے مزدور کی جان جائے یا اُسے چوٹ آئے۔ تو مقرر شدہ معاوضہ دیں۔ تنخواہ روپوں میں دیں۔ یہ نہیں کہ کپڑے کی مل نے تنخواہ کے بدلے میں تھان پکڑا دیا۔ کارخانہ دار جرمانوں کی شکل میں مرضی کے مطابق تنخواہ نہیں کاٹ سکتا۔

حکومت کی مدد سے یورپ میں بیکاروں کو وظیفے ملتے ہیں۔ انگلستان میں بڑھاپے میں پنشنیں ملتی ہیں۔ پنشنوں کا سارا بوجھ حکومت خود اٹھاتی ہے۔ ہمارے ملک میں شہروں میں صبح سے شام تک فقیروں کا تانتا لگا رہتا ہے۔ لندن میں بھیک مانگنا جُرم ہے۔

پنجاب کی نہریں سوکھ جائیں تو ضلع کے ضلع اُجڑ جائیں۔ حکومت کے علاوہ کس میں ہمّت ہے کہ نہریں بنائے۔ نہروں میں ۲۴ - ۲۵ کروڑ کا سرمایہ لگا

ہوا ہے۔ شاید تم کہو کہ نہریں خرچ نکال کر سالانہ دو کروڑ روپیہ منافع پیدا کرتی ہیں۔ کمپنیاں مشترکہ سرمایہ سے ریلیں بناتی ہیں۔ نہریں کیوں نہ بنائیں۔ مان لیا۔ محکمہ جنگلات کس کمپنی کے سپرد کروگے۔ آج کل جنگلات کی آمدنی ناقابل ذکر ہے۔ جنگلات کا انتظام ضروری ہے۔ ورنہ لوگ جنگل کے جنگل کاٹ کر چلا ڈالیں گے۔ بعض ریلیں نفع کی غرض سے نہیں بنیں۔ ان کی فوجی نقطہ خیال سے اہمیت ہے۔ یا رعایا کو کال سے بچانے کے لئے بنیں۔ یہ ریلیں کون بناتا ؟

ہمارے ملک میں بعض ریلیں کمپنیوں کی ہیں اور کمپنیاں ہی چلاتی ہیں۔ مگر حکومت کے ماتحت ہیں۔ حکومت ریلیں چلانے کا وقت بدل سکتی ہے۔ کرایہ میں تخفیف کر سکتی ہے۔ اگر مداخلت کرنے کا اختیار حکومت کو نہ ہو۔ تو اجارہ دار کمپنیاں لوگوں کو لوٹ کر کھا جائیں ؟

زر کی مدد کے بغیر کاروبار نہیں چل سکتا۔ سکے ہمیشہ حکومت بناتی ہے۔ نوٹوں کا کام اب مرکزی بنک کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اور کوئی بنک نوٹ نہیں چلا سکتا۔ اگر بنکوں کو نوٹ چلانے کی اجازت مل جائے۔ گڑبڑ پیدا ہونے کا ڈر ہوگا۔ بعض نوٹ

بٹے پر چلینگے - بعض بنک نوٹ چلا کر دیوالہ نکال دینگے - بہتر ہے کہ یا حکومت یا مرکزی بنک ہی نوٹ جاری کرے +

کچھ عرصہ ہؤا بعض دوائی فروشوں نے لوگوں کو لوٹنے کا نیا طریقہ ایجاد کیا - کونین کی گولیاں بنانی مشکل نہیں۔ ان دوائی فروشوں نے اپنی گولیاں بنائیں - اور ولایت کی گولیوں کے مقابلے میں سستی بیچ کر خوب نفع کمایا - مگر گولیوں میں خوبی یہ تھی - کہ جتنی جی چاہے کھا لو - بخار پھر بھی چڑھے گا - بڑا شور ہؤا، حکومت نے تحقیقات کی تو معلوم ہؤا - کہ کونین کی جگہ گولیوں میں چاک بھرا ہؤا ہے - انجان آدمی کیونکر تمیز کرے کہ دوا ہے یا چاک - اسی طرح عام طور پر بازاروں میں ملاوٹ کا گھی بکتا ہے - حکومت کا فرض ہے۔ کہ عوام کو گندم نما جو فروشوں سے بچائے +

ہر ملک میں حکومت کے گولے بارُود یا سامان جنگ کے کارخانے اپنے بھی ہوتے ہیں - حکومت خود سمندری جنگی جہاز - آب دوز کشتیاں اور ہوائی جہاز بناتی ہے - یا ٹھیکہ داروں سے بنواتی ہے +

مداخلت کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ حکومت صنعتوں کو براہ راست مالی امداد دے - یا درآمد پر محصول لگا کر ان کے لئے نفع کی صورت پیدا کرے +

ہماری ریلیں برطانوی سرمایہ سے بنیں۔ برطانوی کمپنیوں کو حکومت ہند کی طرف سے سود کی گارنٹی ملی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ۴ فی صدی سود کا حکومت نے ذمہ لیا۔ اور کمپنی نے سرمایہ پر ۳ فی صدی سود کمایا۔ تو ایک فی صدی کی کمی حکومت نے پوری کی +

ٹاٹا کمپنی کو حکومت ہند نے مالی امداد دی ہے۔ اس کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ فرض کرو فولاد پر فی ٹن دس روپے مالی امداد ملے گی۔ امداد کل فولاد پر دی جائے۔ جو کمپنی تیار کرے۔ یا فقط اس فولاد پر جو غیر ملکوں کو جائے۔ برآمد کو ترقی دینی ہے۔ تو جو مال باہر بھیجا جائیگا۔ اس پر ہی امداد دی جائے گی۔ جرمنی میں خاص کر یہ طریقہ برآمد بڑھانے کا برتا جاتا ہے۔ ۲۴ جولائی ۱۹۳۹ء کا ممالک متحدہ شمالی امریکہ میں اعلان ہؤا کہ کپاس باہر بھیجنے والوں کو فی پونڈ ۱½ سینٹ مالی امداد ملے گی۔ غرض یہ ہے کہ کپاس کی برآمد بڑھے +

مگر مالی امداد مہنگی پڑتی ہے۔ عام طور پر صنعتوں کو ترقی دینے کے لئے درآمد پر محصول لگائے جاتے ہیں +

پہلے ان محصولوں کی سخت مخالفت کی جاتی تھی۔

مدت تک برطانیہ میں درآمد محصولوں سے آزاد رہی۔ حقیقت میں اُنیسویں صدی میں برطانوی کارخانہ داروں کو درآمدی محصولوں کی ضرورت نہ تھی۔ مگر جب بیسویں صدی میں اور ملکوں سے مقابلہ سخت ہو گیا۔ برطانوی صنعت کمزور ہونے لگی۔ اب برطانیہ میں ہی درآمد پر محصول نہیں لگتے۔ سلطنت برطانیہ کی منڈیوں میں برطانیہ کے مال کے ساتھ ترجیحانہ سلوک ہوتا ہے۔ یعنی غیر ملکوں کے مال کے مقابلے میں برطانیہ کے مال پر تقریباً ۱۰ فی صدی گھٹا کر محصول لگائے جاتے ہیں +

یہ درآمدی محصولوں کی برکت ہے کہ ہمیں اب غیر ملکوں کی کھانڈ اور دیا سلائیوں کی ضرورت مطلق نہ رہی۔ کپڑے کی ملیں دن دُونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہیں۔ اعلےٰ فولاد اور کاغذ ہمارے کارخانوں میں تیار ہوتا ہے۔ اگر حکومت ہند ان اشیاء کی درآمد پر جو بھاری محصول لگتے ہیں۔ ہٹا دے تو کھانڈ سازی کا خاتمہ ہو جائے۔ دیا سلائیوں اور فولاد کے کارخانے بند ہو جائیں۔ اور باقی صنعتوں کو سخت نقصان اُٹھانا پڑے +

ان مثالوں سے سمجھ میں آ جانا چاہیئے کہ مسئلہ عدم مداخلت تباہ کن مسئلہ ہے۔ کوئی حکومت اقتصادی

اور سماجک زندگی میں بغیر مداخلت کئے نہیں رہ سکتی +

حکومت ملک و قوم کی اقتصادی ۔ تعلیمی اور اخلاقی ترقی کی ذمہ وار ہے ۔ اس لئے حکومت کو حق حاصل ہے کہ ملک و قوم کی بہتری کی تجاویز اختیار کرے ۔ اور ان تجاویز کو عمل میں لانے کے لئے مناسب کارروائی کرے +

اخباروں میں چھپا تھا کہ حکومت ٹرکی نے احکام جاری کئے ہیں کہ شادی بیاہ کے موقع پر کفایت شعاری سے کام لیا جائے ۔ شادی ایک دن کی اور جہیز بند ۔ احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کو بھاری جرمانے دینے پڑینگے +

پڑھنے والا شاید کہے کہ والدین کو اختیار ہے کہ شادی پر خواہ سو روپے خرچ کریں خواہ بیس ہزار نہیں ۔ ملک کے نقطہ خیال سے تقریبوں پر بے حساب روپیہ لٹانا سود مند نہیں ۔ نقصان دہ ہے +

جرمنی اور اٹلی میں کارخانہ دار بغیر اجازت کام کا پیمانہ نہیں بڑھا سکتے ۔ پرانی مشینوں کو بدل کر نئی مشینیں نہیں لگا سکتے ۔ بغیر اجازت باہر سے مال نہیں منگا سکتے ۔ جرمنی میں حکومت نے اجناس کے نرخ مقرر کئے ہیں ۔ دونوں ملکوں میں صنعتی اور زراعتی پیداوار

حکومت کے اختیار میں ہے +

زمانہ بدل گیا ہے۔ اُنیسویں صدی کی اقتصادی آزادی خواب و خیال ہو گئی ہے۔ آئندہ زمانے میں مداخلت کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہوگا۔ باترتیب نظام حکومت ہی چلا سکتی ہے۔ مگر جیسا ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ باترتیب نظام قائم کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ حکومت تمام ذرائع پیدا وار پر خود قبضہ کرے۔ اور ہر قسم کی دَولت خود براہ راست پَیدا کرے +

فصل ۲۵

حکومت کی آمدنی وخرچ

پچھلی فصل میں حکومت کے فرائض بیان ہوئے۔ ان فرائض کو انجام دینے کے لئے حکومت کو کروڑہا روپے سالانہ خرچ کرنے پڑینگے۔ حکومت کی آمدنی کے کیا ذرائع ہیں +

بڑے بڑے ذرائع آمدنی مفصلہ ذیل ہیں۔ اوّل حکومت کی اپنی جائداد۔ دوم۔ تاوان جُرمانے اور خراج۔

سوم - فیسیں - چہارم - منافع جو حکومت اپنی صنعتوں سے حاصل کرے - پنجم محصُول +

غیر آباد زمین پر قبضہ حکومت ہوتا ہے - نہریں غیر آباد زمین کو قابل کاشت بنا دیتی ہیں - اور زمینیں بیچ کر حکومت روپیہ کماتی ہے - جنگلات حکومت کے ہیں - اور ان کی پیداوار حکومت کی آمدنی میں ڈالی جائے گی +

حکومت ہند کو خراج کی تھوڑی سی آمدنی ہے - جنگ عظیم کے بعد جرمنی سے کچھ سال تاوان وصول ہوتا رہا - اس میں ہمارا بھی حِصّہ تھا - جرمانوں کی آمدنی بھی حکومت کو ہوتی ہے - مگر جرمانے آمدنی کی غرض سے نہیں وصُول کئے جاتے +

مقدمہ بازوں کو فیسیں ادا کرنی ہوتی ہیں - مگر عدالتوں کا خرچ فیسوں سے پُورا نہیں ہوتا - فیس لگانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ خواہ مخواہ دِق نہ کریں - فیس کو غیر اقتصادی خدمات کا معاوضہ کہنا بجا ہوگا - عدل و انصاف غیر اقتصادی خدمت ہے - جو حکومت بجا لاتی ہے - مگر حکومت کے محکموں کا خط - تار پہنچانا اقتصادی خدمت ہے - بغیر عدالتوں کے گذارا ناممکن ہے - مگر تمہاری مرضی ہے خط لکھو یا نہ لکھو - تار دو یا نہ دو - خط اور تار

کی تم قیمت ادا کرتے ہو۔ فیس نہیں +

حکومت ہند کو ریلوں سے منافع حاصل ہوتا ہے۔ نمک سازی کی صنعت حکومت کی اپنی ہے۔ حکومت پنجاب کو نہروں سے خرچ نکال کر دو کروڑ سے زیادہ سالانہ آمدنی ہوتی ہے +

حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ محصول ہیں۔ محصول کی تین پہچانیاں ہیں۔ اوّل حکومت جبراً وصول کرتی ہے۔ دوم۔ محصول دینے والا خاص شرطیں پوری کرتا ہے۔ سوم۔ محصول دینے کے صلے میں حکومت محصول دینے والے کو خاص آرام نہیں پہنچاتی +

مثلاً آمدنی کے محصول کو لو۔ اوّل محصول کا ادا کرنا رعایا کی مرضی پر نہیں چھوڑا گیا ہے۔ اگر میری مرضی پر موقوف ہو۔ کہ انکم ٹیکس دُوں یا نہ دُوں۔ کبھی دینے کا نام بھی نہ لُونگا۔ حکومت زبردستی محصول لیتی ہے۔ اگر کوئی انکار کرے گا۔ تو اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی +

اسی طرح معاملہ زمین جبراً لیا جاتا ہے۔ حکومت زمینداروں کی مرضی پر چھوڑ دے تو ایک پیسہ وصول نہ ہو +

دوم انکم ٹیکس دینے و لے خاص شرطیں پُوری کرتے ہیں۔ انکم ٹیکس دینے کے لئے آمدنی ۱۹۹۹

روپے سالانہ سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ سینما کے ٹکٹوں پر محصُول لگتا ہے۔ مگر اس شرط پر کہ ٹکٹ بِکے۔ موٹروں پر محصول ہے۔ مگر اس شرط پر کہ تمہارے پاس موٹر ہو۔ موٹر ہے ہی نہیں تو محصُول کِس بات کا ؛

سوم۔ حکومت اپنے اخراجات پُورے کرنے کے لئے محصول لگاتی ہے۔ محصُول دینے والوں ہی کو آرام پہنچانے کے لئے نہیں۔ فرض کرو تم انکم ٹیکس دیتے ہو اور مَیں نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ڈاکہ پڑے تو حکومت کی پولیس یا فوج تمہاری حفاظت کرے اور میری نہیں۔ یا انکم ٹیکس کے صلے میں حکومت تمہیں روز دو ٹوکرے آموں کے بھجوا دیا کرے۔ یا شام کو سیر کے لئے نِکلو تو حکومت کی بڑھیا موٹر خدمت کو موجود ہو ؛

حکومت اپنی آمدنی کو ملک و قوم کی بھلائی کے لئے خرچ کرتی ہے۔ کِسی خاص جماعت یا طبقے کے لئے نہیں ؛

ٹیڑھے اَور سیدھے محصُول

محصول دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ٹیڑھے محصُول اور سیدھے محصُول ؛

ٹیڑھا محصُول وہ محصُول ہے۔ جو وصُول ایک سے کیا جاتا ہے۔ مگر جس کا بوجھ دوسرے پر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر درآمد کے محصُولوں کو لو۔ جاپانی سُوتی کپڑے پر ۵۰ فی صدی محصُول لگتا ہے۔ یعنی اگر سَو روپے کا جاپانی کپڑا ہندوستان میں آئے تو بندرگاہ پر ۵۰ روپے محصُول کے لئے جائیں گے۔ یہ محصول وصُول کس سے کیا جائے گا؟ ظاہر ہے۔ کہ جو کپڑا منگائے گا۔ اسے محصُول دینا پڑیگا۔ حکومت نے محصُول بیوپاری سے وصُول کیا۔ مگر محصُول کا بوجھ بیوپاری نہیں سہاریگا۔ محصُول کپڑے کی قیمت میں داخل ہو جائیگا۔ یعنی جُوتا خریدار کے سر پر پڑیگا۔ پہلے پہل محصول بیوپاری نے دیا۔ مگر آخر میں خریدار نے +

نمک کے اُوپر بھی محصول لگتا ہے۔ ہر ایک نمک کا خریدار نمک کا محصُول دیتا ہے۔ مگر اس طرح پر کہ اُسے معلوم بھی نہیں ہوتا۔ اس محصُول کا بوجھ فی کس ساڑھے چار آنے ہے۔ مگر حکومت نمک کے خریداروں سے براہ راست محصُول نہیں لیتی۔ یہ بھی ٹیڑھا محصُول ہے۔ بیوپاریوں سے حکومت وصُول کر لیتی ہے۔ مگر بیوپاری محصُول کا بوجھ خریدار پر ڈال دیتے ہیں +

آمدنی کا محصُول سیدھا محصُول ہے۔ مَیں آمدنی کا محصُول دیتا ہوں۔ حکومت مجھ سے ہی محصُول وصُول کرتی ہے۔ اور اس محصُول کا بوجھ مجھے ہی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مَیں طلبا سے کہوں کہ میرا آمدنی کا محصُول تم دے دیا کرو۔ تو وہ دینگے؟

معاملہ زمین سیدھا محصُول ہے۔ ٹیڑھا نہیں۔کیوں؟ معاملہ زمیندار سے وصُول کیا جاتا ہے۔ اور اس کا بوجھ زمیندار کو ہی برداشت کرنا پڑتا ہے +

فرض کرو زمیندار کنک کپاس کے خریدار سے کہے کہ معاملہ کا بوجھ ناقابل برداشت ہے تم معاملہ دے دو۔ کوئی مانے گا؟ اجناس بازاری نرخوں پر فروخت ہوتی ہیں۔ اور یہ نرخ ہمارے زمیندار مقرر نہیں کرتے۔ جونہی سرد بازاری کی آمد پر دُنیا کی منڈیوں میں نرخ گرے ہندوستان میں بھی گرے۔ نرخ بڑھا کر ہمارے زمیندار معاملہ کا بوجھ خریدار پر نہیں ڈال سکتے۔ اس لئے معاملہ سیدھا محصُول ہوا +

چار موٹے اصُول

محصُول اندھا دُھند نہیں لئے جاتے۔ محصُول لینے کے چار بڑے بڑے اصُول ہیں۔ پہلے پہلے یہ

اصُول ایک انگریز ماہر اقتصادیات آدم سمتھ نامی نے سمجھائے تھے۔ اس کی کتاب موسوم "قوموں کی دولت" پہلی بار ۱۷۷۵ء میں چھپی تھی۔ جب سے اب تک ۱۶۵ سال کے عرصے میں ان چار اصُولوں میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ مختصراً اُصولوں کے نام ہیں :-

اصُول باقاعدگی
اصُول کفایت
اصُول سہولیّت
اصُول قابلیّت

پہلے اصُول کو لو۔ باقاعدگی سے مُراد ہے کہ جو محصُول حکُومت لے۔ قواعد کے مطابق لے اور رعایا کو بتا کر۔ جتلا کر اور صاف الفاظ میں سمجھا کرلے۔ اندھا دُھند کارروائی نہ ہو۔ چھینا جھپٹی نہ ہو۔ محصُول اس طرح نہیں لئے جاتے کہ جو جی چاہا۔ لے لیا۔ یہ بے ایمانی ہوگی۔ نہیں۔ شرح مقرر شدہ کے مطابق محصُول کیا جائے۔ محصُول دہندگان کو معلوم ہو کہ کیا شرح ہے۔ کیوں یہ شرح مقرر ہوئی۔ کب محصُول دینا ہے۔ اور کیا محصول دینا ہے +

کفایت کے دو معنی ہیں۔ کفایت شعار اسے کہتے ہیں جو کم خرچ کرے۔ اصُول کفایت سے مطلب

ہے کہ محصول جمع کرنے کا خرچ بہت نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ بہت سی محصول کی رقم محصول جمع کرنے والوں کی تنخواہوں اور دیگر خرچوں میں اُڑ جائے۔

دوم۔ جو نقصان ملک اور قوم کو محصول سے پہنچے وہ کم سے کم ہو۔ اس کی ایک آسان مثال کافی ہوگی۔ فرض کرو۔ کپڑے دھونے کے صابون پر محصول لگا دیا۔ صابون کی قیمت بڑھ جائے گی اور غریب غربا صابون نہ خرید سکیں گے۔ میلے کچیلے رہا کرینگے۔ اور وباؤں کے شکار بنیں گے۔ سرکار کو خواہ کتنی ہی آمدنی کیوں نہ ہو۔ ملک و قوم کو نقصان اس سے بڑھ کر ہوگا۔

اصول سہولیت سے مراد ہے کہ رعایا محصول سہولیت سے دے سکے۔ تنگی سے نہیں۔ مثلاً تنخواہ داروں سے آمدنی کا محصول مہینے کے شروع میں لیا جاتا ہے۔ مہینے کے آخر میں نہیں بلکہ تنخواہ ملتی نہیں پیچھے ہے محصول پہلے کٹ جاتا ہے۔ مہینے کے آخر میں آمدنی کا محصول ادا کرنے میں تنگی ہوگی۔

چاروں اصولوں میں اہم ترین اصول قابلیت کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ محصول محصول دینے

والے کی قابلیت کے مطابق ہو۔

آمدنی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ محصول ادا کرنے کی قابلیت بڑھتی ہے۔ اس لئے شرح محصول بھی بڑھا دیتے ہیں۔

فرض کرو شرح محصول ہر ایک کے لئے دس فی صدی ہے۔ اگر آمدنی ایک لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ تو محصول ۱۰۰۰۰ روپے ہوگا۔ یہ بڑی رقم ہے۔ مگر دو ہزار روپے میں سے ۲۰۰ روپے دینے والے پر محصول کا بوجھ زیادہ پڑیگا۔ اگر معافی کے لئے کوئی رقم مقرر نہیں ہے اور چپراسی کی ۲۰۰ روپے سالانہ آمدنی میں سے حکومت نے ۲۰ روپے لے لئے تو ناانصافی اور ظلم کی انتہا نہ رہی۔

کیوں؟ چپراسی پیٹ کاٹ کر محصول ادا کرے گا۔ دو ہزار سالانہ کی آمدنی میں سے ۲۰۰ روپے دینے کے لئے پیٹ کاٹنے کی ضرورت نہیں۔ لاکھ کی آمدنی میں سے دس ہزار محصول دے کر ۹۰ ہزار بچے۔ ۹۰ ہزار پیٹ بھرنے اور آرام و آسائش بلکہ عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لکھ پتی محصول کا بوجھ محسوس نہیں کریگا۔ ویسے غل مچایا کرے کہ ہائے مر گیا۔ لٹ گیا۔ متوسط درجے کے آدمی پر بوجھ پڑیگا۔ مگر اسے آرام و آسائش کی

اشیاء محصول کی شکل میں حکومت کی نذر کرنی ہونگی۔
مگر غریب کی ضروریات ÷
یا یُوں سمجھو کہ محصُول کے بہانے سے حکومت
رئیس کی دو چار بڑھیا تصویریں اور قالین اٹھا کر
لے گئی۔ متوسط درجے کے آدمی کے ایک دو
بڑھیا جوڑے پوشاک اور غریب کی روٹیاں ÷
ٹیڑھے محصولوں کا بوجھ غریبوں پر زیادہ پڑتا ہے۔
اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ سیدھے محصولوں
کے بوجھ سے انہیں آزاد کیا جائے ÷
اصطلاحی زبان میں ہم کہیں گے۔ کہ سیدھے
محصولوں کی شرح آمدنی کے ساتھ ساتھ بڑھنی چاہیئے۔
کیونکہ آمدنی کی آخری ضرورت آمدنی بڑھنے پر گھٹ
جاتی ہے۔ اور آمدنی گھٹنے پر بڑھ جاتی ہے ÷
آمدنی کے محصُول کا طریقہ ۱۹۳۹ء میں بدل گیا
ہے۔ پہلے محصول کی شرحیں مفصلہ ذیل تھیں :-

آمدنی سالانہ	شرح انکم ٹیکس فی روپیہ
۲۰۰۰ روپے سے کم	محصول معاف
۲۰۰۰ " " ۵۰۰۰	۶ پائی
۵۰۰۰ " " ۱۰۰۰۰	۹ "
۱۰۰۰۰ " " ۱۵۰۰۰	۱۲ "
۱۵۰۰۰ " " ۲۰۰۰۰	۱۶ "

آمدنی سالانہ	شرح انکم ٹیکس فی روپیہ
۲۰۰۰۰ روپے سے ۳۰۰۰۰	۱۹ پائی
۳۰۰۰۰ " " ۴۰۰۰۰	۲۳ "
۴۰۰۰۰ " " ایک لاکھ	۲۵ "
ایک لاکھ یا ایک لاکھ سے زیادہ	۲۶ "

۳۰۰۰۰ کے بعد انکم ٹیکس کے علاوہ سو پر ٹیکس یا زایڈ ٹیکس بھی لگتا تھا۔

۱۹۳۹ء سے دوسرا طریقہ رائج ہوا ہے۔ اسے ٹکڑوں والا طریقہ کہا جاتا ہے۔ آمدنی کو ٹکڑوں میں تقسیم کیا۔ پہلا ٹکڑا ۱۵۰۰ روپے کا۔ اس پر محصول معاف۔ دوسرا ٹکڑا ۳۵۰۰ روپے کا۔ اس پر محصول ۹ پائی فی روپیہ۔ تیسرا ٹکڑا ۵۰۰۰ کا۔ اس پر محصول ۱۵ پائی فی روپیہ۔ چوتھا ٹکڑا پھر ۵۰۰۰ کا۔ اس پر محصول دو آنے فی روپیہ اور باقی کی آمدنی پر محصول ۲۰ فی روپیہ۔ ساتھ میں شرط یہ بھی ہے کہ دو ہزار سالانہ سے کم کی آمدنی پر محصول نہیں لیا جائیگا۔ زایڈ ٹیکس جدا ہے۔

فرض کرو تمہاری آمدنی ۲۵۰۰۰ سالانہ ہے۔ اس پر محصول کیا دوگے؟

[نقشہ۔ دیکھو صفحہ ۲۸۶]

ٹکڑا آمدنی	محصول
پہلا ٹکڑا ۱۵۰۰	معاف
دوسرا ٹکڑا ۲۵۰۰ - ۹ پائی فی روپیہ	روپے ۱۶۴ — آنے ۱
تیسرا " ۵۰۰۰ - ۱۵ " "	۳۹۰ — ۱۰
چوتھا " ۵۰۰۰ - ۲ آنے فی روپیہ	۶۲۵ — ۰
بقایا آمدنی ۱۰۰۰۰ - ۲½ " "	۱۵۶۲ — ۸
کل میزان محصول	۲۷۴۲ — ۳

۲۵۰۰۰ کی آمدنی پر ۲۷۴۲ روپے محصول آمدنی کا ۱۱ فی صدی حصّہ ہوا۔ اسی حساب سے دس ہزار کی آمدنی پر محصول ۵۵۵ روپے اور آمدنی کا ۵ ۶/۱۰ فی صدی حصّہ ہوگا۔ ۵۰۰۰ کی آمدنی پر ۱۶۴ روپے اور آمدنی کا ۳ ۳/۱۰ فی صدی حصّہ۔ ۲۱۵۰ کی آمدنی پر ۴۷ روپے اور آمدنی کا ۱ ۹/۱۰ فی صدی حصّہ ÷

پہلے طریقے میں ۲۱۵۰ سے لے کر ۵۰۰۰ تک محصول کی شرح ۳ ۴/۱۰ فی صدی تھی۔ پھر ایک دفعہ ہی بڑھ جاتی تھی۔ ۵۰۰۰ سے ۱۰۰۰۰ تک ۵ ۱/۱۰ فی صدی۔ ۱۰۰۰۰ سے ۱۵۰۰۰ تک ۶ ۸/۱۰ فی صدی۔ ۱۵۰۰۰ سے ۲۰۰۰۰ تک ۹ فی صدی۔ ۲۰۰۰۰ سے ۳۰۰۰۰ تک ۱۰ ۲/۱۰ فی صدی۔ اب شروع سے آخر تک آمدنی کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ محصول کی شرح بڑھتی ہے۔ اور بڑے درجوں کی آمدنی پر

محصول کا بوجھ بڑھ بھی گیا ہے +

حکومت کے قرضے

عام طور پر حکومت اپنے معمولی اخراجات آمدنی سے پورے کرتی ہے۔ غیر معمولی اخراجات کے لئے قرض لینا پڑتا ہے +

قرضے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اوّل جو آمدنی پیدا کرتے ہیں۔ دوم جو آمدنی کا ذریعہ نہیں +

قرضے سے ہماری نہریں ریلیں بنیں۔ سود نکال کر اگر ریلیں اور نہریں آمدنی کا ذریعہ ہیں تو قرضے کا بوجھ محسوس نہ ہوگا۔ قرضہ آمدنی کا ذریعہ بن گیا +

مگر جنگ چھڑ جائے تو سامانِ جنگ خریدنے اور فوجوں کو تیار کرنے کے لئے حکومت کو قرض لینا پڑے گا۔ آج کل کی لڑائی مہنگی ہے۔ جنگِ عظیم کی وجہ سے برطانیہ کے قرضے میں بڑا بھاری اضافہ ہوُا۔ جنگ عظیم سے پہلے برطانیہ کا قرضہ تقریباً ۷۰ کروڑ پونڈ تھا۔ اب ۷۰۰ کروڑ پونڈ ہے +

اتنی بڑی رقم محصولوں سے نہیں مل سکتی۔ پہلے زمانے میں بادشاہ خزانہ جمع کرتے تھے۔ تاکہ لڑائی کے وقت کام آئے۔ آج کل بڑے سے بڑا خزانہ جو کوئی ملک جمع کرے شاید لڑائی میں ایک مہینے کو

بھی کافی نہ ہو +

لازمی طور پر قرضے کا بوجھ رعایا کو سہنا پڑتا ہے۔ ہر سال سود دینا پڑے گا۔ برطانیہ کے قرضے پر ۳۰ کروڑ پونڈ سالانہ سود دیا جاتا ہے۔ ۳۰ کروڑ پونڈ ۴۰۰ کروڑ روپے کے برابر ہیں۔ سود کی رقم حکومت کی آمدنی میں سے ہی نکلے گی +

حکومت کو روپیہ قرض دینا رعایا کی مرضی پر ہے۔ کوئی دے۔ کوئی نہ دے۔ حکومت کسی کو مجبور نہیں کرتی۔ مگر ایک اور طریقہ بھی قرض لینے کا ہے۔ جبراً۔ براہِ راست نہیں۔ کاغذی نوٹ جاری کرکے جن کے بدلے میں حکومت چاندی یا سونا نہیں دیتی +

فرض کرو فوجوں کے لئے کپڑے جوتوں کی ضرورت ہے۔ دس کروڑ روپیہ چاہیئے۔ اگر قرض آسانی سے نہیں مل سکتا۔ حکومت نوٹ چھاپے گی۔ اور اس طرح قیمت ادا کرے گی۔ نوٹ لینے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ انکار کرے تو جیل کی ہوا کھائے۔ نوٹ بنانے کا خرچ قابل ذکر نہیں۔ گویا حکومت کو دس کروڑ کے کپڑے اور جوتے مفت حاصل ہوئے +

فرض کرو گولہ بارود توپ بندوق خریدنے کے لئے ۵۰ کروڑ روپے کی ضرورت ہوئی۔ حکومت نے اور ۵۰ کروڑ کے نوٹ جاری کئے۔ نوٹوں کی مقدار بڑھتی

جائے گی۔ اور چونکہ ان کے بدلے میں چاندی سونا نہیں ملتا۔ نوٹوں پر بٹہ لگنے لگیگا۔ اور جیسا ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ اشیاء کی قیمتیں بڑھنے لگیں گی۔ پہلے جوتوں کپڑوں کے لئے دس کروڑ خرچ کئے تھے۔ دوبارہ شاید بیس تیس یا چالیس پچاس کروڑ خرچ کرنے پڑیں +

جنگ کے دوران میں حکومت نوٹوں کے بدلے میں چاندی سونا نہ دے۔ مگر جنگ ختم ہونے پر نظام زر کی اصلاح ضروری ہوگی۔ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ ۱۹۲۵ء میں بنک آو انگلینڈ نے نوٹوں کے بدلے میں پھر سونا دینا شروع کیا +

مطلب یہ نکلا کہ نوٹ جاری کرکے حکومت جبراً قرضہ وصول کرتی ہے۔ نقدی کی شکل میں نہیں۔ جنس کی شکل میں +

آج کل کی جنگ کا خرچ قرضوں کے بغیر ہی نہیں نوٹوں کی مدد کے بغیر بھی پورا ہونا ناممکن ہے +
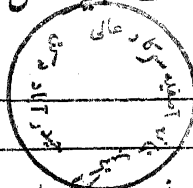
پروفیسر برج نارائن ایم۔ اے نے امرت الیکٹرک پریس ریلوے روڈ لاہور میں باہتمام پنڈت دنشرم چند بھارگو بی۔ ایس۔ سی چھپوا کر نکلسن روڈ لاہور سے شائع کیا +